یادِ رفتگان

حب درویشاں کلید جنت است
دشمن ایشاں سزائے لعنت است

سنہ ۱۳۲۷ ہجری
مطابق
سنہ ۱۹۱۰ع

جسمیں

لاہور کے مشہور اور ہندو مسلمان کامل فقرا۔ اولیائے کرام۔ مقبول درگاہ ایزدی۔ درویشان باصفا کے حالات وکرامات نہایت محنت وتجسس سے فراہم کرکے لکھے گئے ہیں۔ نیز مسئلہ سماع ومزامیر پر جسکو صوفیائے نامدار اور رہبران راہ طریقت سے بہت کچھ تعلق ہے کافی بحث کی گئی ہے

ان کے علاوہ

اُن صوفیائے کرام اور حضرات اور اہل باطن کے مختصر حالات بھی قلمبند کئے گئے ہیں جو شہنشاہ اکبر اور شہنشاہ جہانگیر کے عہد حکومت میں ہندوستان اور اسکے دیگر ممالک میں روحانی طور پر خلق اللہ کو مسخر کر رہے تھے

مرتبہ ومؤلفہ

منشی محمد الدین صاحب فوق۔ اڈیٹر کشمیری میگزین لاہور

بار دوم قیمت فی جلد (۱۲)
تعداد جلد (۱۰۰۰)

کارخانہ ہلالی سٹیم پریس ساڈھورہ میں کارخانہ صوفی پنڈی بہاؤالدین ضلع گجرات کیلئے طبع ہوا

دیباچہ طبع دوم

یادرفتگان پہلی مرتبہ یکم اکتوبر سنہ ۱۹۰۸ء میں چھپکر شائع ہوئی تھی۔ قریباً ایک سو جلدیں سری حضور راجہ رگھبیر سنگھ صاحب بہادر آنجہانی والئے ریاست سنٹرل انڈیا نے جن کے نام پر کتاب ہذا نذر کی گئی تھی۔ ازراہ قدردانی طلب فرمائی تھیں۔ باقی چارسو جلدیں بہت جلد ختم ہو گئیں۔ قدردانانِ احباب طلب کرتے تھے۔ لیکن نامساعدتِ زمانہ نے دوبارہ چھاپنے کی مہلت نہ دی۔ اب اپنے مکرم بھائی پروفیسر محمد الدین صاحب چشتی حیدری مالک و ایڈیٹر رسالہ صوفی کی تحریر کے بموجب جن کو حضرات اہل دل سے خاص اُنس ہے یادرفتگان کے چھاپنے کی اُن کو اجازت دی جاتی ہے۔ مضامین میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی۔ البتہ آخر میں چند صفحوں کی ایزادی کردی گئی ہے جن میں آسمان علوم ظاہری و باطنی کے اُن روشن ستاروں کی محفل سجائی گئی ہے جنہوں نے اکبر اور جہانگیر کے زمانوں میں دہلی۔ لاہور۔ آگرہ اور دیگر مشہور مقامات میں بیٹھے ہوئے تمام ہندوستان میں روحانیت و معرفت کے دریا بہادیے تھے۔ اُمید ہے کہ پبلک سابق کی طرح اب بھی خاکسار مؤلف کی حوصلہ افزائی سے کام لیگی۔

نیازمند

محمد الدین۔ فوق

لاہور۔ دفتر کشمیری میگزین

۹ راگست سنہ ۱۹۰۹ء

۷۸۶

مقدمہ

جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ راگ اور سرود و سماع و مزامیر جایز ہے۔ یا نہیں۔ اور اگر جایز ہے تو کن صورتوں میں۔ اور راگ سننے اور سنانے والے کن خیالات کے ہونے چاہئیں۔ اور گانا کس مضمون پر اور حاضرین مجلس کے اخلاق و عادات کیسے ہوں۔

گانا کسے کہتے ہیں اور وہ کن کیلئے حرام ہے

صاحب رسالہ حرمت و اباحت سرود لکھتے ہیں کہ گانا ایسے اشعار کو خوش الحانی سے ادا کرنے کا نام ہے۔ جن میں محبوب کا ذکر ہو۔ اور جس سے سننے والوں کے دل میں محبوب کے دیکھنے اس کی رضامندی کرنے اور اس کی ناراضی سے ڈرنے کا خیال پیدا ہوتا ہے صاحب کتاب تحقیقات چشتی کے خیال میں سماع ایک پرندہ ہے۔ یعنی لے جانے والا انسان کو جدہر اوس کی رغبت ہو۔ پس اگر اُس کو شوق الٰہی ہے تو سماع اُس کو اُسی طرف لے جائے گا اور اگر وہ گرفتار پنجۂ عشق مجازی ہے تو اوس کی حالت اور بھی بدتر ہو جائے گی۔ قاضی ثنار اللہ صاحب مرحوم پانی پتی مولف مالابدمنہ والسیف المسلول وغیرہ جو ایک عالم متبحر اور ناضل اجل ہو گذرے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ عوام الناس جن کے دلوں میں عورتوں یا مردوں سے ملنے کا شوق ہوتا ہے وہ چونکہ گانا سنکر شہوت نفسانی کی طرف چلے جاتے ہیں۔ اس لئے ایسے لوگوں کے لئے ہر حالت میں بھی گانا سننا حرام کیا گیا ہے۔

گانا سننا جایز ہے یا نہیں

مشایخ میں تو گانا سننا جایز ہے۔ اور سلسلہ عالیہ چشتیہ میں اس کا رواج بدرجہ کمال بلکہ عبادت ہے مگر شریعت نبوی میں اس کے متعلق مختلف مسایل و تکرار ہیں۔ اکثر علمار اس کی حرمت پر فتوے دیتے ہیں اور اس کی حلت پر قایل ہیں۔ اور بعض کے نزدیک مباح ہی ہے جیسے ل حدیثیں اور روایتیں ایسی ہیں جو گانے اور اس کے سننے کی ممانعت

میں ہیں۔ جن میں سے چند ایک بطور خلاصہ نقل کی جاتی ہیں۔

(۱) دو آوازیں ہیں جن پر دُنیا اور آخرت میں لعنت کی گئی ہے۔ ایک تو گانے کے وقت باجے کی آواز دوسرے مصیبت کے وقت رونے کی آواز (۲) رسول صلعم نے گانے اور گانا سننے۔ غیبت کرنے اور غیبت سننے اور چغلی سننے اور چغلی کرنے سے منع فرمایا ہے (۳) مسلمانوں جو مسلمان مرجائے اور اُس کے پاس گانے والی کنیز ہو۔ اوس کے جنازے کی نماز نہ پڑھنا۔ اسی طرح کئی حدیثیں اور روایتیں ایسی بھی ہیں جن سے گانے بجانے کی علانیہ ممانعت نہیں کی گئی۔ مثلاً حضرت عمرؓ ایک دفعہ چلے جارہے تھے رستے میں انہوں نے گانے کی آواز سنی۔ فرمایا یہ کیا ہو رہا ہے لوگوں نے کہا یہاں ختنہ کی تقریب ہے۔ یہ جواب سُنکر حضرت عمر خاموش ہو رہے امام محمد غزالی رح احیار العلوم میں فرماتے ہیں۔ کہ خوشی کے اوقات میں داگر وہ خوشی مباح ہو۔ گانا خوشی بڑہانے اور دل بہلانے کے لئے مباح ہے سماع و مزامیر کا مسئلہ آج تک علمایان قوم حل نہیں کر سکے۔ کیونکہ اس میں مختلف رائیں ہیں۔

اہل تصوف سرود و سماع کے کیوں عاشق ہیں؟

بعض اہل تصوف جو گانا سنتے ہیں اس کی نسبت نہ کوئی آیت شریف نازل ہوئی ہے۔ نہ کوئی حدیث صحیح وارد ہوئی ہے۔ نہ ائمہ مجتہدین سے اِس باب میں دو روایتیں ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اوس وقت صوفیوں میں گانے کا رواج نہیں تھا اور متاخرین میں سے جن علمائے صوفیوں کے گانے کو ناجائز بتایا ہے وہ درحقیقت سننے والوں کے حال سے بے خبر ہیں۔ لیکن اگر کوئی غور کرے تو کسی شرعی دلیل سے اوس کا حرام اور مکروہ ہونا ثابت نہیں ہوتا اسی بنار پر علمائے محققین نے اُسکے مباح ہونے کا فتوی دیا ہے شرح کافی میں لکھا ہے کہ علمائے نزدیک گانا سننا لہو و بازی کے طور پر اور اُوس طور پر کہ فاسق لوگ جمع ہوں اور نماز اور قرآن پڑھنے سے باز رہیں حرام ہے۔ مگر جو لوگ کہ صالح ہیں اور قرآن اور نماز پڑھنے میں مشغول رہتے ہیں۔ انکو گانا سننا حلال ہے اور اس پر تمام علمار کا اتفاق ہے کیونکہ گانا سننے میں اونکی توجہ خدا کی طرف مایل ہوتی ہے

اور وہ آخرت کی باتوں کو اس ذریعہ سے یاد کرتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ مقصد نہایت عمدہ ہے۔ اور اس میں کوئی بُرائی نہیں ہے۔ نیز اس مقصد کے لئے وجد کرنا اور جوش میں آکر ناچنا بھی جائز اور مباح ہے۔ شرح بزدوی مصنفہ ابو القاسم بن محمد بن عبد اللہ الدمشقی میں بھی یہی مضمون لکھا ہے اور کتاب امتاع میں لکھا ہے کہ گانا سننے سے رقت پیدا ہوتی ہے۔ اور دیدار الٰہی کا شوق حرکت میں آتا ہے اور اُس کے غصہ اور عذاب سے دل میں خوف پیدا ہوتا ہے اور ان سب باتوں سے رفتہ رفتہ خدا کا قرب حاصل ہوتا ہے اور جب گانا سننے کا یہ مطلب ہو تو کون کہہ سکتا ہے کہ اس میں لہو و بازی کا دخل ہے۔

شیخ شہاب[1] الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب عوارف میں فرماتے ہیں کہ گانا سننے سے خدا کی رحمت اور برکت نازل ہوتی ہے غرض ؎

سرود چیست کہ چندین خون عشق وروست
سرود محرم عشق است وعشق محرم اوست

آداب مجلس سماع مکان سماع محفوظ خالی از اغیار اور قوال متشرع نمازی دبندار اور باوضو ہونے چاہئیں۔ یہاں تک کہ تمام مجلس میں ایک متنفس بھی بےوضو ہونے کی اجازت نہیں ہے۔ حقہ وغیرہ سے قطعی پرہیز ہے۔ اور طالب کو لازم ہے کہ دیدہ دانستہ اپنی طرف سے کوئی حرکت محض شیخی اور دکھانے کے لئے نہ کرے۔

جاہلوں کو کیوں زیادہ وجد آتا ہے حضرت شیخ سعدی تو فرماتے ہیں کہ بے علم نتوان خدا را شناخت مگر تعجب کی بات ہے کہ مجلس قوالیاں میں جہاں صوفیائے کرام اور اولیائے نامدار معرفت و وحدت اور حق شناسی کے موتی تلاش کرتے ہیں۔ عموماً جاہل اور ان پڑھ لوگ زیادہ جاہلانہ وجد میں آتے ہیں۔ اور اُن پر ایک ایسے قسم کی حالت طاری ہوتی ہے کہ جسم بجائے

[1] ایک خیال یہ بھی ہے کہ شیخصاحب ذوق سماع کے لذت چشیدہ نہ تھے۔

رونے اور حیرت کے ہنسی پیدا ہوتی ہے۔ صوفیائے کرام کی نسبت اکثر کتابوں میں دیکھا گیا ہے۔ کہ جب اُن کو حالت یا وجد طاری ہوتا ہے تو وہ رویا کرتے تھے اور شوق الٰہی میں سر دُھنتے تھے۔ مگر یہ جاہل لوگ جن میں سے اکثر نوشاہیہ طریقہ کے پیرو ہیں۔ اور اکثر محض دیکھا دیکھی ہی حال کھیلنا شروع کر دیتے ہیں۔ ایسی ایسی عجیب حرکات کرتے ہیں کہ اُن کی عاقبت پر رونا آتا ہے۔ الا اللہ کے جھوٹے نعروں سے زمین آسمان تک ہلا دیتے ہیں۔ جس کو حالت کھیلنے کی زیادہ مشق ہوتی ہے اُسکے پاؤں میں رسّا باندھ کر درخت سے اس طرح لٹکا دیتے ہیں کہ اُس کی ٹانگیں اوپر اور سر نیچے ہو جاتا ہے اور نعرے مارتا اور زور سے کھیلتا ہے فوقی یہ حالت اور وجد دیکھکر حیران ہوتا ہے۔ کہ جو لوگ پنج ارکان اسلام تو کجا کلمہ بھی ٹھیک نہیں پڑھ سکتے اور جن کو اشعار کا مطلب ہی سمجھ میں نہیں آتا۔ اور جن کا شبانہ روز بدکاری و عیاشی اور دنیا پرستی میں بسر ہو رہا ہے وہ کس منہ سے اپنے آپکو اہل اللہ اور صوفیائے کرام کی مجلسوں میں بیٹھنے کے قابل سمجھتے۔ اور کیسی بے شرمی اور ڈھٹائی اور خودنمائی سے زبردستی اپنے آپ پر وجد کی حالت طاری کر لیتے ہیں۔ خدا ان کی حالت پر رحم کرے۔

گانا سننے کی چند شرائط جو آدمی گانا سننا چاہے اُس کو لازم ہے کہ پہلے اپنے نفس کا امتحان کرے۔ جیسا کہ حکم دیا گیا ہے کہ "اِس سے پہلے کہ تم سے بازپرس کی جائے۔ اپنے نفس سے بازپرس کیا کرو۔ اگر معلوم ہو کہ نفس قابو میں ہے اور گانا سننے سے جذبات نفس حرکت میں نہیں آئیں گے تو گانا سننا جائز ہے۔ واضح رہے کہ گانا سننے کیلئے چند شرطیں ہیں۔ جیسا کہ صاحب رسالہ حرمت واباحت سرود اور صاحب تحقیقات لکھتے ہیں۔ جن میں سے بعض ضروری اور بعض استحبابی ہیں اور اس موقعہ پر سات امور کی نسبت بحث کرنی لازم ہے جو تمام شرائط کا لب لباب ہیں (اوّل) گانے کا مضمون کیسا ہونا چاہیئے (دوم) گانے والا کیسا ہو (سوم) سننے والا کیسا ہونا چاہیئے (چہارم) گانے سننے کا وقت کون اختیار کرنا چاہیئے (پنجم)

گانا سننے کیلئے کون سی جگہ مناسب ہے (ششم) حاضرین مجلس کیسے ہوں (ہفتم) مزامیر۔

پہلی بات یعنی گانے کا مضمون کیسا ہونا چاہئے۔ اس کی نسبت علمائے فقہ نے لکھا ہی کہ اشعار یا گیت جو گائے جائیں اون میں نہ کوئی بات کفر و معصیت کی ہو۔ نہ کسی زندہ عورت یا مرد کے حسن و جمال کا ذکر ہو۔ اگر کسی ایسی حسین عورت کا ذکر ہو جو اب زندہ نہیں ہے۔ مثلاً لیلیٰ و شیریں وغیرہ یا کسی غیر معین محبوب کا ذکر ہو تو اُس راگ یا شعر کے گانے اور سننے میں کوئی مضایقہ نہیں ہے۔ چنانچہ کتاب فتح القدیر میں لکھا ہے کہ اگر اشعار میں کسی غیر معین عورت کے حسن و جمال کا ذکر ہو تو اُن کا گانا اور سننا مباح ہے عرب کے مشہور شاعر کعب بن زبیر نے جو قصیدہ رسول خدا (صلے اللہ علیہ وسلم) کے حضور میں پڑھکر سنایا تھا اسکی تمہید میں سعاد کا ذکر ہے جو ایک فرضی معشوقہ کا نام ہے۔ رسول خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس قصیدہ کے پڑھنے سے کعب بن زبیر کو منع نہیں فرمایا

دوسری بات یعنی گانیوالا کیسا ہو اوس کی نسبت علمائے فقہ نے لکھا ہی کہ وہ بے نماز اور بدکار نہو اور اُس کا پیشہ گانا بجانا اور اس پیشے سے روزی کمانا نہ ہو۔ کتاب فتح القدیر میں لکھا ہے کہ تمام علمار کا اس بات پر اتفاق ہے کہ گانا اس غرض سے کہ اوس سے روپیہ حاصل کیا جائے حرام ہے اور جو شخص گانے بجانے کو اپنا پیشہ بنائے اور اسی ذریعہ سے روزی کماتا ہو اوس کی شہادت مقبول نہیں ہے۔

تیسری بات یعنی گانا سننے والا کیسا ہو اس کی نسبت علمار لکھتے ہیں کہ جو شخص گانا سننا چاہے وہ ایسا شخص ہو جسکو اپنے نفس پر اختیار ہو تاکہ گانا سننے سے اُس کے نفسانی جذبات حرکت میں نہ آجائیں۔ اور وہ شہوت میں مبتلا نہ ہو جائے۔

چوتھی بات یعنی گانا سننے کا وقت کون مقرر کرنا چاہئے۔ اس کی نسبت علمار نے تحریر کیا ہے کہ گانا سننے کا وقت نماز اور وظیفہ پڑھنے کا وقت نہو۔ اور نہ ایسا وقت ہو کہ دل کھانے اور امور دنیاوی کی طرف متوجہ ہو

پانچویں بات یعنی گانا سننے کے لئے کونسی جگہ مقرر کی جائے اسکی نسبت علمار لکھتے ہیں کہ گانا سننے کے لئے ایسا مکان ہونا چاہئے جس میں تنہائی کا موقع حاصل ہو۔ مسجد میں گانا ہرگز نہ سننا چاہئے کیونکہ مسجد میں شور و غل مچانا قطعاً حرام ہے مکان کے متعلق یہ بھی ایک ہدایت ہے کہ وہ بر سرِ راہ اور تاریک نہو۔ ہاں اگر کوئی خانقاہ ہی ایسی جگہ (بر سرِ راہ) واقع ہو تو مجبوری ہے سماع کسی ظالم اور فاجرہ وفاسق کے مکان پر بھی نہ ہونا چاہئے۔

چھٹی بات یعنی حاضرین مجلس کیسے ہوں۔ اُس کی نسبت علمار تحریر کرتے ہیں کہ گانا سننے کی مجلس میں جن لوگوں کو شریک کیا جائے وہ نہ تو بدکار ہوں اور نہ غیر محرم ہوں کیونکہ اگر سماع کی مجلس میں ایسے لوگ موجود ہونگے تو اون کے پرتوِ صحبت سے صوفی کے دل کا آئینہ دُھندلا جائیگا اور روحانی تجلیاں اُس کے دل ودماغ پر نازل نہیں ہونگی۔ خداوند عالم خود فرماتا ہے کہ مسلمانوں نصیحت سنانے اور ہدایت کرنے کے بعد فاسق اور ظالم آدمیوں کے پاس بیٹھے نہ رہا کرو۔ مولانا روم نے اِس مضمون کو اس طرح ادا کیا ہے ؎

صحبت صالح ترا صالح کند
صحبت طالح ترا طالح کند

فاسقوں اور بدکاروں کی صحبت میں بیٹھنے سے قرآن وحدیث میں جابجا منع کیا گیا ہی اہل سماع کو لازم ہے کہ مجلس سماع میں سر نیچے ڈال کر اور متوجہ بہ قلب ہو کر بیٹھیں اور ایک دوسرے کی طرف نہ دیکھیں۔ اور تکلف اور بناوٹ سے کوئی حرکت نہ کریں۔ کہ اُنکی سخت ممانعت ہے۔

ساتویں بات یعنی مزامیر کا استعمال جایز ہے یا نہیں۔ اسکی نسبت علمار فرماتے ہیں کہ اگر مزامیر سے خدا کی محبت اور اس کی دیدار کا شوق حرکت میں آتا ہو تو اونکے استعمال کو حرام نہیں کہ سکتے خیال کرنا چاہئے کہ جب نکاح کا اعلان کرنے قافلہ کو خبردار کرنے غازیونکو مستعد اور ہوشیار کرنے کیلئے دف او نقارہ کا استعمال جایز ہے بلکہ عین عبادت ہے تو مزامیر کا استعمال اس غرض سے کہ اُن سے دیدار الٰہی کا شوق اور ولولہ پیدا ہو۔ اور بھی بہتر ہوگا مولانا روم فرماتے ہیں

ہمچو نے زہرے و تریاقے کہ دید !

ہمچو نے دمساز و مشتاقے کہ دید !

یعنی نے نے فاسقوں کے حق میں زہر ہے اور صادقوں کے حق میں تریاق ہے مگر حضرات نقشبندیہ نے جب دیکھا کہ رسول خدا (صلے اللہ علیہ وسلم) اور صحابہ کرام اور تابعین اور تبع تابعین رضی اللہ عنہم اجمعین) کے زمانہ میں جو خیر القرون کہلاتا ہے دیدار الٰہی کے شوق اور ولولہ کو اکسانے اور حرکت میں لانے کے لئے گانا سننے کا مشغلہ اختیار نہیں کیا گیا تو انھوں نے اِس اُصول پر عمل کیا کہ ہر ایک بدعت حرام ہے وہ بدعت سیئہ کی طرح بدعت حسنہ سے بھی گریز کرتے ہیں اور اسی لئے مجلس سماع قایم نہیں کرتے نہ اُس میں شریک ہوتے ہیں تاہم سماع کو مباح بلکہ مستحب ضرور جانتے ہیں۔ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "نہ این کار میکنم و نہ آن کار میکنم یعنی نہ تو میں یہ کام کرتا ہوں نہ اسکو بُرا جانتا ہوں۔ نقشبندیوں نے وہ کام قرآن اور نماز اور ذکر و فکر سے لیا ہے جو اوروں نے گانے اور بجانے سے لیا ہے:

مجلس سماع میں وجد کیلئے آیات قرآنی کیوں نہیں پڑہی جاتیں

بعض لوگ اصرار کرتے ہیں کہ جب مجلس سماع میں شوق الٰہی کے لئے ہی سماع ہوتا ہے تو بجائے اس کے کہ وہاں غزلیات وغیرہ پڑہی جائیں۔ آیات قرآنی قوالوں سے کیوں نہیں سُنی جاتیں۔ کیونکہ کلام الٰہی سے ہی شوق الٰہی زیادہ ہوگا۔ بات تو معقول ہے اور جیسا کہ کتاب احیاء العلوم میں امام غزالی رح نے لکھا ہے کہ اکثر دفعہ ایسا ہوا ہے کہ جب آیات قرآنی نہایت خوش الحانی سے ادا کی گئیں۔ تو اکثر اہل اللہ بزرگوں کو حالت اور وجد طاری ہوگیا۔ بلکہ کئی ایک نے غلبۂ جوش سے مجبور ہو کر جان بھی جان آفرین کے سپرد کردی مگر عوام اور نیز عاشقان الٰہی کے نزدیک قرآن شریف کی تمام آیات اِس قسم کی نہیں ہیں۔ کہ وہ ہر حالت میں عاشقوں پر صادق آسکیں قرآن شریف میں زیادہ تر معاملات دینی و دنیاوی اور امر و نہی وغیرہ کے حالات مندرج ہیں۔ مثلاً جب قاری یہ آیات پڑھے کہ فلاں رشتہ دار کو یہ حصہ پہنچتا ہے۔ یا جس عورت کا خاوند

مرجائے تو وہ چار ماہ اور ۱۰ یوم تک عدت میں رہے۔ ایسی ایسی آیات سے آتش عشق کو کیا تعلق! نیز مجلس قوالان میں طبلہ و سارنگی وغیرہ سے بھی کام لیا جاتا ہے۔ قرآن شریف کو ایسے لوازمات کے ساتھ ادا کرنا خلاف ادب ہے۔ مجلس میں بعض دفعہ ایسا ہی ہوتا ہے کہ طالب کسی خاص غزل یا کسی خاص شعر کے لئے قوالوں کو فرمائش کرتا ہے جس کے مطابق قوالوں کو پہلی غزل کی جگہ دوسری غزل گانی پڑتی ہے اور اگر قرآن شریف کا سماع ہو تو کسی کی مجال ہے کہ چوں و چرا بھی کر سکے۔ مجلس سماع میں طالب جب وجد میں آتا ہے تو عالم بے اختیاری میں کپڑے پھاڑتا اور رقص کرتا اور نعرے مارتا ہے۔ جو سماع قرآنی میں نامناسب ہے۔

حالت سماع میں صبر و استقلال کی بڑی ضرورت ہے

افسوس ہے کہ سماع کی مجلسیں آجکل دل بہلاؤ اور لہو و لعب میں شمار ہو رہی ہیں بحالیکہ بزرگان سلف اور صوفیائے کرام انہیں مجلسوں کے ذریعے درد دل کا اظہار کیا کرتے تھے جاہل لوگ جھوٹی کیفیتیں اور مصنوعی حالت پیدا کر کے نہ صرف اپنی عاقبت ہی خراب کرتے ہیں بلکہ اُن کی اُن لغو حرکات سے اسلام بھی بدنام ہوتا ہے آجکل ایسی مجلسیں غالباً ۱ فی صدی بھی بمشکل نکلیں گی جن میں گانا سننے کی ان چند شرائط پر عمل کیا جاتا ہو بحالیکہ جب تک مجلس میں پاک نفوس اور پاک خیالات نہوں سماع اور مجلس ہی جائز نہیں۔ صوفیائے کرام کے خیال میں کامل ترین وہ شخص ہے جو سماع سُننے اور ساکن رہے اور صبر و استقلال کو ہاتھ سے نہ جانے دے یعنی ظاہر میں کچھ تردد و ضعف پیدا نہو۔

اجمیر شریف میں ایک تازہ غم انگیز واقعہ

میں مندرجہ بالا سطور لکھ رہا تھا کہ ۲۱ ستمبر ۱۹۲۶ء کا اخبار الغریز آگرہ میرے پاس پہنچا جس میں ایک مضمون نظر سے گذرا۔ جو حسن ازل کے ایک مقناطیسی جادو کا اونچے کرشمہ اور صوفیائے کرام کی حالت وجد کا ایک اصلی نمونہ تھا اس واقعہ کی کیفیت یہ ہے کہ خان بہادر شمس العلماء حاجی حافظ شاہ محمد حسین صاحب الہ آبادی رح جو بغرض شرکت عرس حضرت خواجہ غریب نواز اجمیر میں تشریف لے گئے تھے جب محفل میں عین حالت نشاندہ پر پونچے

اور جب اس شعر ؎

گفت قدوسی فقیرے در فنا و در بقا
خود بخود آزاد گردی خود گرفتار آمدی

کے سننے سے آپ پر خاص کیفیت کا عالم طاری ہوگیا۔ تو آپ وہاں ۲۰ ار ستمبر کو دوشنبہ کے دن ، جنت الفردوس کو تشریف لے گئے۔

ڈاکٹروں نے مرض سکتہ کے دہوکے میں صاحب موصوف کی فصد بھی لی لیکن سوائے خون نکلنے کے کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ یہ کیفیت اگرچہ دور از قیاس ہے مگر ہمارے خیال میں وہ اہل الرائے سوختہ دل جنھوں نے عشق کے بھڑکنے والی آگ کے شعلوں سے اپنے دل کو جلنے اور حسن کی سحر آفرینیوں سے والہ وشیفتہ ہوکر سر بصحرا نکل کھڑے ہونے اور گلی گلی تنکے چننے اور جنگل کی خاک چھاننے کا تجربہ حاصل کیا ہے۔ زیادہ متحیر نہوں گے۔ کیوں کہ عشق و حسن کا مقناطیسی اثر کچھ ایسا ہی دل بے چین کر دینے والا ہوتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ حسن کو ایک نوجوان کا مچلا ہوا دل کسی کے رخسار تاباں سے منسوب کرتا ہے اُس کو ایک صاف طینت صوفی حسن ازل یا کرشمہ قدرت یا تجلیات باری سے منسوب کرتا ہے۔ ورنہ فی الواقع دونوں چوٹ کھائے ہوئے دلوں میں صرف ایک حسن ہی کے جذبات وکشش کا اثر ہوتا ہے۔ بلکہ اگر انصاف سے دیکھا جائے تو عالم ناسوت کی مجسم حسن کی تصویریں ہی ایسی شئے ہیں جو صانع حقیقی کے کرشموں کی مظہر ہیں۔ پس جب عشق مجازی کے کرشمے حیرت انگیز ہیں تو حقیقت کا پوچھنا ہی کیا ہے۔ فی الواقع حاجی صاحب مرحوم ایک عالم متبحر اور صوفی صاف طینت تھے۔ آپ کی ذات فخر روزگار سے تھی۔ آپ نے ۱۳ حج کئے تھے۔ اور بڑے باخبر شخص تھے۔ دعا ہے کہ پروردگار عالم سب کو اپنی محبت عنایت فرمائے۔ اور مرحوم کو غریق رحمت کرے +

سماع تین قسم کا ہوتا ہی	جاننا چاہئے کہ جس طرح لوہے کو اگر پتھر پر مارا جائے

تو اُس سے ایک شرارہ نکلتا ہی۔ جو بالکل نامعلوم جگہ میں ہے۔ اسی طرح جناب

الٰہی کے عشق کی ایک کیفیت ہر دردمند انسان کے دل میں پوشیدہ ہے، جس کی بابت خود دردمند کو بھی معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہے۔ البتہ یہ آتش، عشق سرود و سماع کی ہوا سے تیز ہوتی اور بھڑکتی ہے۔ سماع اُس چیز کی افزونی اور ترقی کا باعث ہے جو انسان کے دل میں ایک راز کی طرح بند ہو پس اگر کسی کے دل میں محبّت الٰہی موجزن ہے تو سماع اُس کو اور بھی جنبش دیگا اور اگر آتش عشق باطل ہے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ سماع اُس کے حق میں زہر قاتل ہے۔ اگر کسی کے دل میں محبّت حق و باطل میں سے کوئی ایک بھی نہو تو پھر بھی سماع حلال نہ سمجھنا چاہیئے۔ البتہ مباح ضرور ہے۔ مندرجہ بالا سطور سے سماع تین قسموں پر منقسم ہوا۔ یعنی اوّل وہ جو غفلت یا لہو و لعب کے خیال سے سُنا جائے جو مباح ہی۔ دوسرے وہ کہ دل انسان میں صفت مذموم ہو یعنی اُس کی محبّت خواہش نفسانی کے تابع ہو ایسا سماع حرام مطلق ہے۔ تیسرے وہ کہ دل میں کوئی صفت محمود مثلاً شوق زیارت کعبہ یا توبہ یا محبت الٰہی ہو۔ جو حلال ہے اور اسی کا نام اصلی سماع ہے۔

سماع کن وجوہات سے حرام ہے؟ سماع کے حرام ہونے کے چار اسباب ہیں جن سے پرہیز کرنا واجب ہے۔

(۱) عورت سے سماع سُننا حرام ہی۔ خواہ وہ عورت خوبرو ہو یا زشت رو البتہ پس پردہ مباح بیان کیا جاتا ہے۔ بشرطیکہ محل فتنہ نہو۔

(۲) مزامیر سے سماع سُننا حرام ہے۔ کیونکہ یہ شراب خوروں کی عادت ہی البتہ چنگ و رباب و بربط سے جایز ہے۔

(۳) جس سماع میں الفاظ فحش سے کام لیا گیا ہو اور جس میں نفسانی خواہش دل کا بیان یا اشارہ ہو وہ بھی حرام ہے۔

(۴) سماع کی عادت اور عشرت حاصل کرنے کیلیے سُننا بھی ناجایز ہے۔ گو مباح ضرور ہے۔

حضرت محبوب الٰہیؒ اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اور دیگر اولیائے کرام کی مجلسیں (۱) شیخ جلال الدین تبریزی جو سلطان شمس الدین التمش کے زمانہ میں ولیٔ

کامل ہوگذرے ہیں۔ خواجہ قطب الدین صاحب سے ملنے کیلیے دہلی
تشریف لائے، مجلس سماع گرم تھی۔ اس

در میکدۂ وحشت ہشیار نے گنجد
در عالم بینرنگی جز یار نے گنجد

(۲) قاضی حمید الدین ناگوری کے مکان پر مجلس سماع تھی۔ اور خواجہ قطب الدین صاحب بھی وہاں موجود تھے۔ دیر تک محویت کا عالم طاری رہا۔

(۳) شیخ فرید الدین بابا گنج شکر سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت خواجہ قطب الدین کے پاس قاضی حمید الدین صاحب ناگوری بھی بیٹھے تھے۔ اتنے میں قوالی آئے اور ایک غزل گانی شروع کی۔ خواجہ صاحب دیر تک وجد میں آکر اُچھلتے رہے۔ اور ہوا میں ساکن ہوگئے۔

(۴) بہاؤ الدین صاحب ذکریا ملتانی نے اپنی خانقاہ میں ایک دن خواجہ بختیار کاکی علیہ رحمت کی دعوت کی۔ جب سماع کا شور و غل بلند ہوا تو ملتانی عالموں نے جمع ہوکر شیخ صاحب سے عرض کی کہ مسجدوں اور خانقاہوں میں خلاف شرع سماع کیوں ہو رہا ہے۔ حضرت ذکریا صاحب ملتانی نے فرمایا کہ خواجہ صاحب کو تم لوگ ہی جاکر سمجھاؤ۔ میری طاقت نہیں ہے جب تمام علمار اُن کے پاس گئے تو وہ بھی خواجہ صاحب کی طرح رقص و وجد میں مشغول ہوگئے۔

(۵) حضرت محبوب الٰہیؒ خواجہ نظام الدینؒ شیخ بدر الدین غزنوی کے مکان پر سماع سُننے کو تشریف لیگئے۔ جب وجد ہوا تو آپ نے دستار اور کرتہ کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔

(۶) خواجہ بختیارؒ کاکی کی رحلت کا واقعہ بھی صوفیائے کرام کیلیے موجب استعجاب ہے۔ آپ شیخ علی سنجری کی خانقاہ میں سماع سُن رہے تھے جب یہ شعر پڑھا گیا ؎

کشتگان خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جانے دیگر ست

تو آپ پر حالت طاری ہو گئی۔ چار رات اور چار دن آپ متواتر اسی شعر کو سنتے رہے۔ اور آخر پانچویں دن انتقال فرمایا۔

سماع صوفیائے نامدار کی نظر میں

حضرت ایشاں سے جو بعہد شاہ جہانگیر لاہور میں کامل صوفی ہو گذرے ہیں۔ ایک مجلس میں پوچھا گیا کہ مسئلہ سماع کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے۔ آپ نے فرمایا "ما نہ ایں کار میکنم و نہ انکار مے کنم" یعنی جو شخص سماع کے قابل ہے اُس پر حلال اور دوسرے کو حرام ہے سماع کے قابل وہ شخص ہے جو فنا فی الذات الٰہی ہو حضرت محبوب الٰہیؒ سے ایک شخص نے عرض کیا۔ کہ شیخ شہاب الدین سہروردی نے کبھی سماع نہیں سنا۔ اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔ آپ نے فرمایا شیخ نجم الدین کبریٰ فرمایا کرتے تھے۔ خدا نے شیخ شہاب الدین کو دونوں جہان کی ہر نعمت سے ممتاز فرمایا۔ مگر سوائے ذوق و سماع کے۔ آپ نے ایک مجلس میں فرمایا کہ جو لوگ صاحب دل اور صاحب ذوق ہیں اور جن کے دل میں کچھ بھی درد ہے اُن کو تڑپا دینے کے لیے کام کا ایک ہی شعر کافی ہے۔

حضرت محبوب الٰہیؒ سے روایت ہے کہ خواجہ فرید الدینؒ نے مجھے ایک دن بحالت وجد فرمایا۔ کہ نظام الدین مانگو جو مانگتے ہو۔ ؎

مانگ جو کچھ مانگنا ہے آج اے حسنِ طلب
خود وہ کہتے ہیں بتا کس چیز کا خواہاں ہے تو (فوقؔ)

حضرت محبوب الٰہیؒ فرماتے ہیں میں نے دین و عقبیٰ اور خدا طلبی کی درخواست کی جو مرشد کی برکت سے حاصل ہو گئی۔ مگر اس امر کا افسوس ہمیشہ رہیگا کہ حالت سماع میں اپنے انتقال کی خواہش کیوں نہ کی۔

الغرض راگ اور سماع صوفیائے کرام کیلیے ایک لازمی امر ہے۔ بشرطیکہ اسکے قواعد کی پابندی کی جائے۔ پروفیسر اقبال نے کس خوبی سے صوفیائے کرام اور عام دردمند لوگوں کا عقیدہ اس شعر میں بیان کیا ہے ؎

لوگ کہتے ہیں مجھے راگ کو چھوڑو اقبالؔ
راگ ہی دین میرا راگ ہے ایمان میرا

لاہور کی گذشتہ اور موجودہ حالت

لاہور کا بانی راجہ رامچندر جی کا بیٹا راجہ لو بیان کیا جاتا ہے۔ لیکن بعض یورپین مورخوں کے خیال میں اس کی طرح قدم راجپوتوں نے حضرت مسیح سو دو سو سال بعد ڈالی تھی۔ وہ اس اختلاف کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ جب یونانیوں نے پنجاب پر حملہ کیا ہے تو لاہور کا کہیں ذکر تک نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ لاہور اُن کے حملہ کے بعد تعمیر ہوا ہے۔

دسویں صدی کے اختتام پر لاہور میں راجہ جیپال کی حکومت تھی۔ جس کو پہلے ۹۸۸ء میں سبکتگین اور اُس کے بعد اُسکے بیٹے محمود غزنوی نے ۱۰۰۱ء اور ۱۰۰۸ء میں جیپال کے بیٹے راجہ انندپال کو شکست دی آخر ۱۰۳۶ء میں غزنوی خاندان نے لاہور کو اپنی سلطنت کا دارالخلافہ قرار دیا۔ ۱۰۴۲ء سے ۱۵۲۴ء تک شاہان غوری۔ خاندان غلامان منگولین۔ گکھڑوں۔ تیموری حملوں۔ اور لودھیوں کے زیر حکومت رہا۔

۱۵۵۴ء میں جب ہمایوں ہندوستان کا بادشاہ ہوا۔ تو تاریخ لاہور کے سیاہ حروف سنہری رنگ میں رنگے جانے لگے۔ رونق و زیبائش اپنا جوبن دکھانے لگی۔ اکبر نے گو آگرہ کو دارالخلافہ قرار دیکر اکبر آباد بنا دیا۔ لیکن ۱۵۸۴ء سے ۱۵۹۸ء تک وہ بھی لاہور ہی میں رہا۔ اکبر نے قلعہ کو فراخ کیا۔ اور تمام شہر کے گرد ایک مضبوط اور بلند فصیل بنوائی۔ جو ۱۸۹۲ء تک برابر قائم رہی۔ جہانگیر تو لاہور کا عاشق تھا۔ یہاں تک کہ ۱۶۲۷ء میں مر کر بھی لاہور ہی کی نواح (شاہدرہ) میں دفن ہوا۔ انار کلی کا مقبرہ۔ قلعہ کے اندر موتی مسجد اور خوابگاہ یہ سب عہدِ جہانگیری کی عمارتیں ہیں۔ شاہجہاں نے لاہور کو اور بھی رونق دی۔ اُسے عمارتوں کا خاص شوق تھا۔ قلعہ میں خوابگاہ

کے پائین طرف جس قدر عمارتیں ہیں مثمن برج شیش محل - نو لکھا - وغیرہ سب اُسی کی بناکردہ ہیں - لاہور کو نواب علی مردان خان جن کا مقبرہ گلابی باغ کے سامنے ہے - اور حکیم علیم الدین المعروف نواب وزیر خان بانئے مسجد وزیر خاں کے زمانے میں بھی بڑی رونق نصیب تھی - چوبرجی - شالامار باغ - مسجد دائی انگہ اور مسجد وزیر خاں جیسی عالی شان اور بیش قیمت عمارتیں اُسی زمانے ۱۶۲۷ء سے ۱۶۳۷ء تک کی یادگار ہیں - اورنگ زیب نے بھی شاہی مسجد کو تعمیر کر کے لاہور کی زیبائیش میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا - اورنگ کے بعد سلطنت مغلیہ کا آفتاب گہن میں آجاتا ہے - عمارتوں کا کیا ذکر باہمی خانہ جنگیوں اور ملکی شورشوں سے سلطنت کے لالے پڑ جاتے ہیں - نادرشاہ اور احمد شاہ کے حملے سلطنت کو تہ و بالا کر کے ملک کی دولت بھی لے جاتے ہیں - آخر لاہور پر ایک زمانہ ایسا آتا ہے - کہ تین حاکموں کے ماتحت ہو جاتا ہے - اور بڑے دروازے کی کُنجی مہنگاں ساکن نواں کوٹ کے پاس آتی ہے - اس زمانہ کو سہ حاکمان لاہور کا زمانہ کہتے ہیں -

۱۸۰۰ء میں جبکہ رنجیت سنگھ احمد شاہ درّانی کی خوشنودیئے مزاج حاصل کرنے کے بعد لاہور کا باقاعدہ فرمانروا تسلیم کیا جاتا ہے تو عازہ لاہور پر پھر کچھ رونق آنی شروع ہوتی ہے - لیکن افسوس ہے کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے شاہانِ سلف کی عمارات کے ساتھ وہ سلوک نہ کیا - جو بادشاہوں کے لایق تھا - ایک مسلمان بادشاہ اُس کی خدمات سے خوش ہو کر معمولی انعام نہیں بلکہ اُس کو لاہور کی حکومت سپرد کرتا ہے - اور رنجیت سنگھ اُسی مسلمان بادشاہ کے ہم مذہب سلاطین کے آثار قدیمہ کو بیخ و بُن سے اُکھاڑنے کے درپے ہو جاتا ہے - رنجیت سنگھ نے تمام عمارتوں سے قیمتی پتھر اُتروا کر اُن کو خاک میں ملا دیا - البتہ دربار صاحب امرتسر کو خوب رونق

دی ۔ اور لاہور میں صرف ایک بارہ دری اپنی یادگار چھوڑی ۔ جو حضوری باغ میں شاہی مسجد کے سامنے ہے ۔ لاہور میں رنجیت سنگھ کے مرنے کے بعد ۱۸۳۹ء میں پھر بے اطمینانی اور طوائف الملوکی شروع ہو جاتی ہے ۔ کھڑک سنگھ ۔ نونہال سنگھ ۔ اور شیر سنگھ پانچ سال کے اندر یکے بعد دیگرے رخصت ہو کر تخت لاہور دلیپ سنگھ کے لیے خالی کرتے ہیں ۔ لیکن اُس کی صغر سنی کی وجہ سے فوج خالصہ اور رانی جنداں طوفان بے تمیزی پیدا کر کے سرکار انگریزی سے برسر پرخاش ہوتے ہیں ۔ آخر ۲۹ ۔ مارچ ۱۸۴۹ء کو بد نصیب دلیپ سنگھ قلعہ کے شیش محل میں تخت سے اُتارا جاتا ہے ۔ اور حکومت سرکار انگریزی کے ہاتھ میں آتی ہے ۔

شاہان مغلیہ کے زمانے میں لاہور دُور دُور تک آباد تھا ۔ اسکی وسعت پانچ چھ میل تک مشرق اور جنوب کی طرف پھیلی ہوئی تھی ۔ اس کے ۳۶ محلے بڑے مشہور تھے ۔ جن میں سے ۲۲ محلے نہایت آباد ۔ بارونق اور مالدار تھے ۔ اُن میں سے صرف ۱۲ کے نام لکھے جاتے ہیں ۔ محلہ گذر لنگر خاں ۔ محلہ مزنگ (جو بجائے محلے کے اب قصبہ ہے) محلہ موج دریا ۔ محلّہ شاہ چراغ (نزد چیف کورٹ) محلہ لکھی ۔ محلہ سیانی (مزنگ سے بھی پرے) محلہ دائی لاڈو ۔ محلّہ زین خاں ۔ محلّہ دائی انگہ (ریلوے سٹیشن سے بھی پرے) محلّہ تیل پورہ ۔ محلہ قصابان ۔ محلّہ مغل پورہ ۔ چوک درارا ۔ (متصل شہید گنج لنڈا بازار) اب لاہور کے اکثر پُرانے محلّوں پر زراعت اور کھیتی باڑی کا کام ہوتا ہے ۔ اور کسی کو اس بات کا خیال بھی نہیں گذرتا کہ یہاں عالی شان مکانات بھی کبھی موجود تھے ۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ کے زمانے میں شہر کے اندرونی حصّے کے سوا باقی تمام محلّے ویران اور برباد تھے ۔ زمین کھود کھود کر اُن کی اینٹیں فروخت ہونی شروع ہوئیں اور یہ سلسلہ چالیس سال تک قایم رہا ۔ اب سرکار برطانیہ کے زمانہ میں اس کی رونق اور شان و شوکت سلاطین

مغلیہ کے زمانے سے بھی ہزار چند زیادہ ہو رہی ہے۔ فصیل شہر گرا کر وہاں اب باغات لگوائے گئے ہیں جس سے نہ صرف آب وہوا ہی عمدہ اور صحت بخش ہو گئی ہے۔ بلکہ شہر کی خوبصورتی بھی دوبالا ہو گئی ہے۔ ۱۹۰۶ء میں تو ان باغات میں بھی قابل دید اصلاح ہوئی ہے۔ اور سڑکیں اور روشیں نہایت خوبصورت بنائی گئی ہیں۔ جنوب اور مشرق کیطرف آبادی وسعت اور سرعت سے بڑھ رہی ہے۔ عالی شان عمارتیں اور سربفلک مکانات تیار ہو رہے ہیں۔ سڑکوں کی صفائی اور بجلی کی روشنی اور بوٹوں کی تراش خراش دیکھنے کے قابل ہے۔ شہر کے اندر بھی بڑے بڑے گذرگاہوں مثلاً چوک وزیر خاں۔ کوتوالی۔ لنگے منڈی وغیرہ میں بجلی کی روشنی کا انتظام کیا گیا ہے۔ شہر کے تیرہ دروازے ابتدا سے چلے آتے ہیں۔ جن میں سے چند نئی طرز پر بنائے گئے ہیں۔ بعض بالکل گرا دیئے گئے ہیں۔ اور چار دروازے یعنی شاہ عالمی۔ لوہاری۔ موری اور روشنائی سابقہ طور پر ہی موجود ہیں۔ رنجیت کے زمانہ تک یہاں صرف تین بڑی قومیں آباد تھیں۔ ہندو مسلمان اور سکھ۔ لیکن اب عیسائی بھی ہیں۔ اور سول سٹیشن کی طرف قریباً تمام یورپین ہی ہیں۔

۱۹۰۸ء میں لاہور اور اُس کے بیرونی حصّوں کی آبادی ۱۲۱۲۰۰ آدمیوں کی تھی۔

محمد الدین فوق

۷۸۶

شاہ ابوالمعالی

نام آپ کا خیرالدین اور سلسلہ قادریہ تھا شعر شاعری کا بھی شوق تھا غربتی تخلص فرمایا کرتے تھے دارا شکوہ برادر شہنشاہ اورنگزیب نے آفتاب سفینۃ الاولیا میں آپ کی ولادت کے متعلق لکھا ہے کہ حضرت شاہ خیرالدین ابوالمعالی بتاریخ دہم ماہ ذی الحجہ بروز عید الضحیٰ روز دوشنبہ سنہ ۹۶۰ ہجری میں پیدا ہوئے۔ آپ کرمان کے سادات میں سے تھے والد کا نام سید رحمۃ اللہ بن میر سید فتح اللہ شاہ تھا تخلص آپ کا کتاب تحقیقات چشتی سے معلوم ہوا مگر کوئی شعر اردو۔ فارسی یا عربی دستیاب نہیں ہو سکا آپ کا مزار پُر انوار موچی دروازہ کے باہر ہے مزار کے ارد گرد ایک عالی شان مسجد ہے جس کو حضرت نے اپنی زندگی ہی میں بنوایا تھا مسجد کے مشرق میں ایک کنواں ہے وہ بھی آپکی زندگی ہی میں تعمیر کیا گیا تھا گرد نواح مقبرہ کے اس قدر امرا اور عام لوگوں کی قبریں ہیں کہ اس احاطہ کو اگر مخزن القبور کہا جائے تو نامناسب نہ ہو گا حضرت کی زوجہ اور بعض رشتہ داروں کی قبریں بھی اسی احاطہ میں ہیں لاہور میں سب سے زیادہ اسی مقبرہ میں کبوتر رہتے ہیں چنانچہ اب بھی ہزاروں کبوتر ہونگے سب سے پہلے آپ کے صاحبزادہ کلاں شاہ محمد درویش المشہور یہ برقعہ پوش نے یہاں کبوتر رکھے تھے پھر آہستہ آہستہ رواج ہوتا گیا۔ آپ کے مزار پر سال میں چار میلے بھی مفصلہ ذیل تاریخوں پر منعقد ہوتے ہیں (۱) میلہ عرس کا جو ۱۷ ربیع الاول کو منعقد ہوتا ہے۔

(۲) عید الفطر (۳) عید الضحیٰ (۴) شب برات - ان تمام میلوں میں خلقت اس کثرت سے ہوتی ہے کہ جس کا کچھ حد و حساب ہی نہیں ہر قسم کی دوکانیں اور ہر قسم کا سودا اور تفریحی سامان نہایت افراط سے مہیا ہوتے ہیں قوالی اور محفل رقص و سرود بھی اپنا رنگ جماتی ہے آپ کی عمر ۶۵ سال کی تھی کہ ۱۰۲۵ھ ہجری میں بعہدِ شہنشاہ جہانگیر (اکبر کی وفات کے گیارہ سال کے بعد) انتقال فرمایا کرامات آپ کی صدہا مشہور ہیں جن میں سے صاحب تذکرۃ العارفین نے بھی اکثر درج کی ہیں مگر یہاں بخوف طوالت صرف ایک کرامت پر ہی اکتفا کی جاتی ہے حضرت ملا شاہ کے دل میں جو داراشکوہ کے مرشد تھے ایک دن خیال گذرا کہ میں دل و جان سے حضرت غوث الاعظم کا معتقد ہوں حضرت پیران دستگیر کو بھی میرے اس اعتقاد سے خبر ہے کہ نہیں رات کو خواب میں دیکھا کہ ایک لق و دق میدان میں میں اکیلا کھڑا ہوں۔ اتنے میں حضرت پیران پیر تشریف لائے - ایک دستار سفید عنایت فرما کر کہا کہ اے ملا شاہ ہم تمہارے حال سے بے خبر نہیں ہیں اور اس کے ثبوت میں تمہارا سر برہنہ دیکھکر یہ دستار تم کو عنایت کرتے ہیں حضرت ملا شاہ فرماتے ہیں کہ جب میں صبح کے وقت خواب سے بیدار ہو کر گھر سے باہر نکلا تو حضرت شاہ ابو المعالی کا ایک خادم میرے بلانے کے لئے آ رہا تھا جب میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے ایک دستار سفید مجھکو عنایت فرمائی اور کہا کہ یہ دستار رات کو حضرت غوث الاعظم نے تم کو بخشی تھی وارث حضرت کے دو ہیں - ایک نواسے اور ایک پوتے ۔ کچھ اولاد آپکی پنڈ دادن خاں اور پشاور کی طرف بھی ہے مزار کی آمدنی دونوں حصہ داروں میں تقسیم ہو جاتی ہے مزار کے مجاوروں کو آمدنی سے کوئی تعلق نہیں ۔ ہاں بعض لوگ للّٰہ فی اللّٰہ کچھ دے جاتے ہیں ؛

شاہ چراغ

آپ کے عرس کا میلہ بھی لاہور میں نہایت دھوم دھام سے ہوتا ہے آپ کا اصل نام عبدالرزاق بن سید عبدالوہاب بن سید عبدالقادر ثالث گیلانی ہے شاہ چراغ کا نام مشہور ہونے کی وجہ زیادہ تر یہ بیان کی جاتی ہے کہ جب آپ پیدا ہوئے تو آپ کے دادا سید عبدالقادر ثالث نے فرمایا کہ یہ لڑکا ہمارے خاندان کا چراغ ہوگا آپ بڑے کامل بزرگ اور صاحب باطن فقیر گذرے ہیں شاہ جہاں بادشاہ آپ کا نہایت ہی معتقد تہا اور ایک روایت ہے کہ وہ حضرت کے کسی فرزند کے ساتھ اپنی کسی دختر کا نکاح بھی کرنا چاہتا تھا مگر حضرت نے نامنظور فرمایا حضرت موج دریا بخاری رشتہ میں آپ کے پھوپھا تھے آپ کی وفات کی تاریخ کا حال دو مورخوں نے لکھا ہے مگر دونوں میں اختلاف ہے مفتی غلام سرور صاحب تذکرۃ العارفین میں لکھتے ہیں کہ ۱۷ ربیع الاول سنہ ۱۰۹۲ ہجری کو آپکی وفات ہوئی اور مولوی نور احمد صاحب تحقیقات چشتی میں تاریخ وفات ۲۲ ذیقعد روز جمعہ ۱۰۶۸ ہجری ارقام فرماتے ہیں۔ تاریخ وفات میں اگر ایک دو سال کا فرق ہوتا تو ایک معمولی مغالطہ تہا۔ مگر تاریخ وفات میں چوبیس سال کا فرق بہت بڑا فرق ہے جس سے کوئی اطمینان نتیجہ نہیں نکل سکتا آپ کا مزار شاہ عالمگیر کے حکم سے بنایا گیا تہا اس مقبرہ کے اندر آٹھ قبریں ہیں جن میں ایک تو خود حضرت کی اور دوسری اُن کے صاحبزادے زین العابدین کی۔ اور باقی بھی تمام رشتہ داروں کی ہیں گو آج کل یہ مقبرہ شہر لاہور۔ بلکہ انارکلی سے فاصلہ پر چیف کورٹ اور دفتر اکونٹنٹ جنرل کے پاس ہے۔ مگر جن دنوں کہ لاہور آباد تہا۔ اس آبادی کا نام جہاں اب یہ مزار ہے محلہ لنگر خاں[1] تھا۔

مقبرہ کے مغرب کی طرف ایک مسجد بھی ہے جسکو نواب خان بہادر نے اپنی

---

[1] لنگر خان عملداری مغلیہ کے زمانہ میں امرائے شاہی میں سے ایک مشہور شخص گذرا ہے۔

والد کی قبر کی وجہ سے بنوایا تھا یہ مسجد اب دفتر میں شامل ہوگئی ہے مسجد کے غرب رویہ ایک چبوترہ پر ایک بوسیدہ سی چاردیواری ہے۔ جسپر حضرت شاہ چراغ کے مرید کا مزار ہے۔

موج دریا

نام آپ کا میران محمد شاہ اور عرف عام میں آپ کو موج دریا بخاری کہتے ہیں مزار آپ کا انارکلی کی طرف حضرت شاہ چراغ کے مزار کے قریب ہی ہے آپ میر سید جلال الدین المشہور میر سرخ کی اولاد سے ہیں آپ کا وطن اور مولد اوچ شریف ہے جو ریاست بہاولپور میں واقعہ ہے لاہور میں آپ کی تشریف آوری کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ جب شہنشاہ اکبر کو جو اولیائے کرام اور فقرائے عظام کا ولی معتقد تھا مہم قلعہ چتوڑ درپیش ہوئی اور باوجود ہزار کوشش کے بھی قلعہ نہ سر ہو سکا تو نجومیوں کو بلوایا اور اون سے دریافت کیا کہ اس قلعہ کی فتح کس شخص کے نام ہے نجومیوں نے بالاتفاق بیان کیا کہ جب تک حضرت میران محمد شاہ موج دریا بخاری جو اوچ میں رہتے ہیں نہ آئیں گے قلعہ فتح نہ ہوگا اکبر بادشاہ نے چند معتبر سواروں کو ایک تیز رفتار سانڈنی دیکر حضرت کی طلبی کے لئے بھیجا جب سوار حضرت کی خدمت میں پونچے اور مدعائے حاضری کو زبان پر لائے تو آپ نے فرمایا کہ تم سانڈنی لیکر جاؤ ہم خود ہی چتوڑ پونچ جائیں گے سواروں نے نشان تشریف آوری دریافت کیا آپ نے فرمایا کہ جب تم لوگ لشکر شاہی میں داخل ہو گے تو اس دن غضب کی آندھی آئے گی تمام قناتیں اور خیمے اُکھڑ جائیں گے۔ مشعلیں اور چراغ گل ہو جائیں گے مگر صرف ایک چراغ جو لشکر شاہی سے کسی قدر فاصلہ پر ہوگا جلتا رہے گا غرض جب وہ لوگ چتوڑ پونچے تو بادشاہ کو حضرت کا پیغام سنایا۔ سر شام جیسی کہ توقع تھی سخت آندھی

آئی۔ تمام خیمے اور شامیانے گر پڑے مشعلیں اور چراغ گل ہو گئے۔ ظل سبحانی اکبر بادشاہ حضرت موج دریا کی تلاش میں نکلے دیکھا کہ کچھ فاصلہ پر ایک چراغ ٹمٹما رہا ہے۔ بادشاہ پا برہنہ حضرت کی خدمت میں تشریف لے گئے۔ حضرت نے فرمایا کہ جاؤ کل قلعہ فتح ہو جائیگا دوسرے دن حضرت خود ہی علے الصباح قلعہ کے پاس تشریف لے گئے۔ اس مہم کے سر ہونیکے بعد حضرت نے اوچ کی واپسی کا ارادہ کیا۔ بادشاہ نے عرض کی کہ میں آپ کا خادم ہوں اب آپ اسی ملک میں جہاں چاہیں تشریف رکھیں حضرت نے ردّ و کد کے بعد لاہور کا مقام اس لئے پسند فرمایا کہ وہ مخزن اولیا اور مخزن القبور ایک مدت سے مشہور چلا آتا تھا۔ اکبر بادشاہ نے حضرت کے نام نو لاکھ روپیہ کی جاگیر علاقہ بٹالہ۔ وغیرہ میں عطا کی تحقیقات چشتی میں لکھا ہے کہ۔ فرمان عطائے جاگیر مہری و دستخطی اکبر بادشاہ کا اب تک حضرت کی اولاد کے پاس موجود ہے حضرت کے نام جب جاگیر ہوئی تو تین جگہ ایک لاہور میں ایک مقام خان فتا متصل بٹالہ ایک بستا نوالہ علاقہ بٹالہ میں لنگر قایم کر دیئے جب اس جاگیر کی خبر امرائے دربار اکبری کو ہوئی تو انہوں نے اس بے جا فیاضی کی شکایت کی اور کہا کہ اگر یہ حضرت ایسے ہی صاحب عرفان و کرامت ہیں تو جلتی آگ کے تنور میں کچھ دیر ٹھہر کر دکھائیں چنانچہ قلعہ شاہی میں ایک بہت بڑا تنور گرم کیا گیا بہت سی خلقت اور خود ظل سبحانی اور حضرت موج دریا اور اُن کا ایک خدمتگار (باورچی اور وضو کرانے والا) فرید نام بھی وہاں موجود تھا جب حضرت کے صاحبزادہ سید شہاب الدین کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو آپ بھی قلعہ کی طرف آئے مگر دربانوں نے داخل ہونے سے روکا آپ بحکم خدا وہاں شیر کی شکل میں نمودار ہو گئے اور اندرون قلعہ دربار شاہی میں جا پہنچے۔ اکبر خوف کھا کر بھاگا۔ اور حضرت موج دریا سے پناہ مانگی حضرت موج دریا نے شیر کو فرمایا کہ اے شہاب الدین فقیروں کو ایسا غصہ نہ کرنا چاہئے۔ تم اپنی اصلی صورت پر آ جاؤ آپ کا صاحبزادہ

صاحب یہ سنکر اصلی صورت پر آ گئے اور اُسی وقت سے اُن کا نام سید شہاب الدین
ہزہ مشہور ہو گیا (ہزہ ہندی میں شیر کو کہتے ہیں) سید شہاب الدین
نے کہا کہ آپ کو تنور میں جانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ مجھے اجازت
دیجئے۔ حضرت نے فرمایا ہماری اور تمہاری دونوں کی کوئی ضرورت
نہیں۔ سادات کا ایک ادنےٰ خادم فرید اس خدمت کو پورا کریگا
میاں فرید یہ سنتے ہی اللہ اکبر کہکر تنور میں کو د پڑا۔ امرائے دربار
نے تنور سے باہر آنے کے لئے ہر چند آوازیں دیں مگر جب تک حضرت موج
دریا نے اجازت نہ دی وہ باہر نہ آئے۔ حضرت موج دریا کی وفات ۱۷ ماہ
ربیع الاول سنہ ۱۰۱۳ہجری کو اکبر بادشاہ کی وفات سے ایک سال پہلے مقام
خان فتا متصل بٹالہ میں واقع ہوئی۔ خان فتا میں جہاں آپ کو غسل دیا گیا
وہاں بھی ایک قبر بنی ہوئی ہے۔ آپ کے صاحبزادہ کلاں سید صفی الدین
آپ کی نعش مبارک کو لاہور لے آئے آپ اکثر بٹالہ میں بھی رہا کرتے
تھے کیونکہ وہاں بھی آپکی ایک بی بی تھی جو کسی مسلمان راجہ کی بیٹی بیان
کی جاتی ہے اسی بی بی کے بطن سے سید شہاب الدین ہزا اور سیّد
بہاؤ الدین پیدا ہوئے اور سید صفی الدین پہلی بیوی المشہور بہ بیوی
وڈی کی اولاد سے ہیں سید شہاب الدین بھی ولیٔ کامل اور شیخ
مکمل تھے اُن کی اولاد گو آجتک بٹالہ میں موجود ہے۔ مگر قبر آپ کی
موضع بھوگی وال نواح لاہور میں ہے جو آپ کی وصیت کے مطابق ہنوز
خام ہے۔ پیدائش آپ کی سنہ ۹۶۴ہجری اور وفات ۱۱۔ ماہ ذی الحجہ سنہ ۱۰۴۱ء
کو بیان کی جاتی ہے آپ کی وصیت تھی کہ ہمیں لاہور میں ہی دفن کیا جائے
اور جہاں ہماری میت ٹھہر جائے وہیں ہماری قبر بھی تیار کی جائے سیّد
شہاب الدین صاحب سے بھی کئی کرامات مشہور ہیں۔ حضرت موج
دریا کے مزار پر انوار پر سال بھر میں ایک دفعہ عرس ہوتا ہے۔
رات کو چراغان اور بھنڈارہ۔ اور صبح کو مجلس طوائفان و قوالان منعقد
ہوتی ہے اکثر لوگ وہاں شب باش ہوتے ہیں۔ مولوی نور احمد صاحب

زبانی معتبر اشخاص کی لکھتے ہیں کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے عہد میں چالیس روپیہ ماہوار اس خانقاہ کے لئے مقرر تھا اور مقررہ ماہانہ کے علاوہ ہمیشہ نذر پیش کش بھی دیا کرتے تھے۔

گوروارجن

آپ کے باپ کا نام گورو رامداس تھا جو لاہور کے ایک کھتری قوم سوڈھی سمی ہرداس کے بیٹے تھے۔ آپ ۱۸۔ بساکھ سمت ۱۶۱۰ کو گوبند وال ضلع امرتسر میں پیدا ہوئے گوروارجن کے دو بڑے بھائی پرتھی راج اور مہادیو بھی تھے۔ مہادیو تو فقیر مست اور لاولد تھا۔ البتہ پرتھی راج جو سب سے بڑا تھا اپنے سب سے چھوٹے بھائی گوروارجن سے بدرجہ کمال دشمنی رکھتا تھا اس دشمنی کی وجہ یہ تھی کہ گورو رامداس نے گوروارجن کو لایق اور ہونہار دیکھ کر اپنا سجادہ نشین کرنا چاہا تھا اور پرتھی چند بخیال بزرگی و نخوت سجادہ نشینی کو اپنا حق سمجھتا تھا۔ پرتھی چند کا ایک اور معاون دیوان[1] چندولال بھی تھا جو گوروارجن کا پرتھی چند سے کم دشمن نہ تھا اُس کی عداوت کی یہ وجہ تھی کہ چندولال اپنی بیٹی کا رشتہ گوروارجن کے لڑکے گورو ہرگوبند سے کرنا چاہتا تھا اور گورو صاحب نے انکار کر دیا تھا غرض پرتھی چند اور چندولال نے اتفاق کر کے بادشاہ کو گورو صاحب کی طرف سے بدظن کرنا چاہا اور بادشاہ کے حضور میں گورو صاحب کے خلاف بہت کچھ زمین آسمان کے قلابے ملائے یہ بات سچی ہے کہ بادشاہوں کے کان ہوتے ہیں آنکھیں نہیں ہوتیں۔ جہاں پناہ کچھ کہنا ہی چاہتے تھے۔ کہ نواب وزیر خان (غالباً بانیٔ مسجد وزیرخان) نے گورو صاحب کی مرنج و مرنجاں پالیسی اور ان کے عبادت و زہد اور صاحب دل ہونے کا تذکرہ

[1] دیوان چندولال شہنشاہ جہانگیر کے حضور میں شاہی دیوان تھے

کیا۔ اور مشاہدہ میں چشم دید واقعہ یہ بیان کیا کہ جب میں لاہور میں درد شکم سے سخت علیل تھا اور باوجود علاج معالجہ کے کچھ بھی آرام نہوا۔ تو ایک دن اتفاق سے ایک سکھ بانی سکھ منی گوروارجن صاحب کی با آواز بلند پڑھتا ہوا میرے مکان کے نیچے سے گذرا۔ جب وہ آواز میرے کانوں میں پڑی تو درد سے فوراً آرام ہو گیا اسی طرح وہ سکھ ہر روز گذرنے لگا جب تک اوس کا آواز مجھے سنائی دیتا درد سے آرام رہتا اور ناشنوائی کے بعد پھر وہی حال ہو جاتا میں نے ایک دن اُس سکھ کو اوپر بلوا کر تمام بانی دیر تک سُنی اُس کے چلے جانے کے بعد بدستور درد شروع ہو گیا آخر میں خود گورو صاحب کی خدمت میں بمقام امرت سر گیا۔ جہاں اُنکو صاحب کمال پایا اور انہیں کی نظر توجہ سے میری بیماری بھی رفع ہوئی ۔ اس بیان سے پرتھی چند اور دیوان چند دلال نہایت خفیف ہوئے مگر بجائے تائب ہونے کے ایذا رسانی کی اور بھی تدبیریں سوچنے لگے ایک دفعہ شہنشاہ جہانگیر لاہور تشریف لائے تو اُس وقت گوروارجن صاحب امرت سر میں تھے چند ولال نے موقع دیکھکر کہا کہ خداوندا! دیکھئے گروارجن کیسا مغرور ہے حضور کے سلام کو بھی حاضر نہیں ہوا۔ شہنشاہ نے فرمایا کہ اے دیوان وہ فقیر ہیں۔ فقیر کسی کے پابند نہیں ہوتے یہ بات تو رفع دفع ہو گئی مگر جب کچھ عرصے کے بعد گوروارجن کی شہرت پر لگا کر اُڑنے لگی تو بادشاہ کو بھی ملاقات کا شوق ہوا چنانچہ نہایت اشتیاق سے بلوایا گورو صاحب آئے تو دیوان چندولال نے شرارت و فتنہ پردازی کی راہ سے اُنکی نہایت عزت کی اور اپنے مکان محلہ ہیرا منڈی میں لے گیا جب گورو صاحب اسکے مکان پر پونچے تو اُس نے حکمت عملی سے گورو صاحب کے ساتھیوں کو الگ کر دیا اور گورو صاحب کو قید کر لیا چند ولال نے قید کر کے گورو صاحب کو سخت سخت ایذائیں دیں اور آخر یہاں تک کہا کہ اسی طرح عذاب دے دیکر قید میں مار ڈالوں گا اگر جان کی خیر چاہتے ہو تو ناطہ قبول کر لو۔ مگر اُن برگزیدۂ خدا نے باوجود شبانہ روز تکالیف برداشت کرنے کے ناطہ کے سوال سے ہر دفعہ اور ہر مرتبہ انکار کیا اس ناخدا ترس نے کئی کئی دن تک گورو صاحب کو کھانا بھی نہ دیا۔ بلکہ دیگ ہائے کلاں میں پانی گرم کرا کے اس میں اُن کو

بٹھایا کرتا تھا۔ دیوان چندو لال کی بہو سکھوں کے ایک معزز گھرانے کی لڑکی تھی۔
وہ رات دن اسی غم میں رہا کرتی تھی کہ اس ظالم کے ہاتھوں سے گرو صاحب
کو جو تکلیف پہنچ رہی ہے کہیں قیامت کے دن میں بھی اس مواخذہ میں نہ
آجاؤں آخر بیچاری ایک دن نظر بچا کر گرو صاحب کے پاس پہونچی اور
اپنی مجبوری ظاہر کی۔ گرو صاحب نے کہا خدا تم کو خوش رکھے ہماری تکالیف
اب ختم ہونے والی ہیں کل ہمارا کال ہو جائیگا اس کے گھر پر سخت مصیبت
آئے گی اور ہماری وفات کے کچھ عرصہ بعد ہمارا لایق فرزند گورو ہرگو بند
اس سے ہمارا انتقام لیگا۔ بہو بے چاری یہ سُن کر زار زار روئی اور آنیوالے
مصائب سے بچنے کیلئے اپنی موت کی درخواست کی گورو صاحب نے کہا کہ
اچھا تو بھی کل مرجائے گی تھوڑی دیر کے بعد جب بہو چلی گئی تو چندو لال
نے گورو صاحب کو آکر کہا کہ ناطہ قبول کرلو تو بہتر ورنہ گائے کے چمڑے میں تم کو
بند کر کے مروا ڈالوں گا گورو صاحب نے کہا کہ ہم کو دریا راوی کا اشنان
کرآنے دے پھر جو تو کہے گا مان لیں گے چندو لال نے اجازت دیدی
گورو صاحب معہ اپنے ہمراہی سکھوں کے سخت پہرہ کی نگرانی میں اشنان کو روانہ
ہوئے جب گورو صاحب قلعہ[لہ] کے نیچے پہنچے تو لب دریائے راوی اشنان
کیا اور اشنان کے بعد بوقت ۹ بجے دن کے چادر تان کر جان بحق
ہوگئے۔ انکی تاریخ وفات بروز ۴ ماہ جیٹھ سدی سمت ۱۶۶۳ بکرماجیتی مطابق
سنہ ۱۰۲۳ھ تھی اودہر چندو لال کو خیال گذرا کہ ابھی تک واپس نہیں آئے کہیں بادشاہ
کے حضور میں استغاثہ ہی نہ دائر کر دیا ہو وہ انکو لینے کے لئے دریا پر آیا۔
جہاں انکو اس حالت میں دیکھکر اور شرمندہ ہو کر واپس چلا گیا جب گھر آیا۔
وہاں بھی کہرام مچا ہوا تھا دریافت کیا کہ کیا ہے؟ معلوم ہوا کہ بہو آپ کی فوت
ہوگئی ہے غرض پرتھی چند اور چندو لال نے آپ کو حد سے زیادہ تکلیفیں دیں
ایکدفعہ گورو داس نے گورو ارجن صاحب کو ایک شادی پر لاہور روانہ

لہ اس زمانہ میں دریاے راوی قلعہ اور بادشاہی مسجد بلکہ شہر کے پاس سے ہو کر گذرتا تھا

کیا اور تاکید کی کہ جب تک ہم طلب نہ کریں امرت سر نہ آنا جب گرو ارجن صاحب کو لاہور میں آئے ایک عرصہ ہو گیا تو پتا کے دیدار کیلئے تڑپنے لگے پے در پے دو فراقیہ خطوط لکھے مگر پرتھی چند نے ایک خط بھی پیش نہ ہونے دیا گورو ارجن صاحب حیران تھے کہ خط کا جواب کیوں نہیں آتا آخر معلوم ہوا کہ خط گورو صاحب کو نہیں بلکہ پرتھی چند کو پہنچتے رہے ہیں گورو ارجن نے تیسرا خط لکھکر قاصد کو تاکید کی کہ یہ خاص گورو رامداس کے ہاتھ میں دینا جب گورو رامداس نے یہ خط دیکھا تو فوراً آپکو بلوا لیا جب گورو ارجن کے گھر گورو ہر گوبند پیدا ہوئے تو پرتھی چند کیلئے ع سمند عمر پہ اک اور تازیانہ ہوا۔ دل آتش حسد سے جلکر کباب ہو گیا دائیوں کی معرفت اور دوسری کئی سبیلوں سے گورو ہر گوبند کے مروا ڈالنے کی بہتیری کوشش کی۔ مگر خدا کو اُن کی موجودگی سے بابا نانک صاحب کا نام روشن کرنا منظور تھا اور فقیری و امیری کو اُن کے در دولت پر آستانہ بوس کرانا تھا انکی موت کس طرح واقعہ ہوتی۔ گورو ارجن صاحب کی وفات کے بعد گورو ہر گوبند نے شہنشاہ جہانگیر کی اجازت سے دیوان چندو لال کو نہایت عذاب اور تکلیفیں دیکر مارا۔ گورو ارجن صاحب کی سمادہ دروازہ روشنائی کے باہر قلعہ کے دروازہ کے شمالی جانب اور سمادہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے پاس ہے جہاں میلہ نہایت زور شور سے ہوتا ہے۔

شاہ محمد غوث

آپ کے والد کا نام سید حسن بن سید عبد اللہ ہے سترہ واسطوں سے آپ کا سلسلہ علیہ حضرت غوث الاعظم تک ملتا ہے آپ کے جد امجد سید عبد اللہ نے جو گیلان سے وارد ہندوستان ہوئے تھے تمام ملکوں کی سیر کرکے پشاور کو اپنا مسکن قرار دیا تھا۔ حضرت شاہ محمد غوث قادری قدس سرہ نے بھی بہت سیر کی ہے حضرت شاہ دولہ۔ شاہ بھیکہ حضرت سید عبد الغفور نقشبندی

اور صدہا بزرگان وقت کی خدمت سے فیضیاب ہوتے رہے آپ نے ایک رسالہ بھی بنام غوثیہ لکھا ہے۔ جس میں آپ تحریر فرماتے ہیں کہ جب میں پہلے پہل لاہور آیا تو اول ہی اول مقبرہ عالیہ حضرت میانمیر میں شب باشی ہوئی رات کو خواب میں حضرت میانمیر نے ایک وظیفہ پڑھنے کے لئے عطا فرمایا دوسرے دن وہاں سے روانہ ہوکر حضرت شیخ حامد لاہوریؒ سے طالب استفادہ ہوا۔ انہوں نے براہ کشف فرمایا کہ حضرت میانمیر نے جو شغل تم کو عطا کیا ہے وہی کافی ہے کچھ اور بتانے کی ضرورت نہیں۔ یہ بھی روایت ہے کہ دو شخص ایک گونگا اور ایک اندھا حضرت کی خدمت میں آئے اور بیازمندانہ طور پر عرض کیا کہ حضرت! آپ سید ہیں ہم آپ کا نام سنکر آئے ہیں۔ جناب الٰہی میں ہمارے لئے دعائے شفا کیجئے۔ یہ سنکر حضرت اُنکی طرف متوجہ ہوئے اور بعد ازاں اپنا دست مبارک اندھے کی آنکھوں پر لگایا جس سے وہ بینا ہو گیا پھر گونگے کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ کلمہ پڑھ۔ اس نے اسی وقت کلمہ پڑھا مصنف تحقیقات چشتی حضرت کی ایک چشم دید کرامت کا تذکرہ ان الفاظ میں لکھتا ہے کہ جب بعہد سکھاں کنور نونہال سنگھ خلف مہاراجہ کھڑک سنگھ ولی عہد مہاراجہ رنجیت سنگھ خود مختار ہوا تو اُس نے نواح شہر لاہور کی صفائی کرانے کے ارادہ سے درختوں اور مکانوں کے گرائے جانے کا حکم دیا سب سے پہلے بیرون دروازہ دہلی کی صفائی شروع ہوئی جب مزدوروں نے خانقاہ کے درخت کاٹ ڈالے اور نوبت مزار پر انوار کو منہدم کرنے کی آئی تو رعایا اور سرداران وقت سے اکثر لوگوں نے کنور نونہال سنگھ سے منت التجا کی کہ اس خانقاہ کا ادب ملحوظ رکھو اور اسکو اسی حالت میں رہنے دو مگر کنور صاحب نے از راہ حکومت و نخوت کچھ پرواہ نہ کی خدا کی قدرت کہ اسی رات کو مہاراجہ کھڑک سنگھ کنور نونہال سنگھ کا باپ رہگرائے عالم جاودانی ہو گیا دوسرے دن مزدور

ؒ شیخ حامد لاہوری ایک صاحبِ باطن بزرگ ہمیشہ متصل قرار حضرت داتا گنج بخش رہا کرتے تھے۔

وغیرہ بسبب ناتی تعطیل کے کام پر نہ آئے مگر لوگوں کو یہ خوف طاری تہا کہ اگر آج بچ رہی ہے تو کل ضرور ہی یہ خانقاہ گرا دی جائے گی۔ جب کنور نونہال سنگھ مہاراجہ کہڑک سنگھ کو جلا کر دروازہ روشنائی متصل قلعہ سے داخل ہونے لگا تو ایک سنگ عظیم اور دیوار کا تہوڑا سا ٹکڑا کنور صاحب اور راجہ اودہم سنگھ خلف راجہ گلاب سنگھ برادر حقیقی مہاراجہ رنبیر سنگھ آنجہانی والئے سابق جموں کشمیر کے سر پر گر پڑا جس کے صدمے سے اُسی رات کو دونوں صاحب جان بحق ہو گئے اور یہ مزار پر انوار صدمہ انہدام سے محفوظ رہا مزار اور مسجد اور حوض اور ملحقہ مکانات نہایت خوبصورت ہیں۔ احاطہ مزار میں داخل ہونے کے لئے گو دو تین رستے ہیں مگر اصل رستہ وہی ہے جس پر بارگاہ حضرت شاہ محمد غوث لکھا ہوا ہے یہ رستہ عین لب سڑک پر واقعہ ہے مزار آپکا بیرون دہلی دروازہ واکبری دروازہ ہے آپ کی وفات ۱۱۵۲ھ ہجری میں ہوئی تہی۔ جہاں اب آپکا مزار ہے وہاں شاہان مغلیہ کی زمانہ میں بعہد اورنگزیب عالمگیر اس کے دودہ بہائی فدائی خاں کوکہ کی حویلی تہی مزار پر انوار پر سال بسال عرس بتاریخ ۱۷ ربیع الاول عرس کے موقعہ پر نہایت دہوم ہوتی ہے اور زایرین لاہور امرتسر اور گرد و نواح اور بعض اور شہروں سے نہایت کثرت سے آتے ہیں رات کو آتشبازی بہی چلتی ہے۔ آپ کی اولاد پشاور خطہ کشمیر میں بہی نہایت معزز و محترم ہے ؛

شاہ جمال

یہ مقبرہ عالیہ بنام بنا دمدمہ حضرت شاہ جمال لاہور سے تین کوس کے فاصلہ پر بجانب جنوب اور موضع اچہرا سے بجانب مشرق واقعہ ہے حضرت شاہ جمال و حقیقی بہائی تھے دوسرے کا نام شاہ کمال تہا اور حقیقت یہ ہے کہ یہ دونو قادری اور سہروردی بزرگ اصلی معنوں میں صاحب جمال و کمال تھے حضرت نے اپنا دمدمہ بحین حیات سات منزل تک تیار

کرایا تھا۔ ان دنوں سرائے گولیاں والی جس میں شاہان مغلیہ کے عہد میں گولہ بارود وغیرہ جمع رہا کرتا تھا۔ تعمیر ہو رہی تھی۔ جو مزدوروں کو سرائے کی مزدوری کرتے تھے۔ رات کو وہی لوگ دگنی اُجرت پر دمدمہ تعمیر کیا کرتے تھے جب یہ دمدمہ سنہ ہجری میں تیار ہو چکا اور اُس پر چڑھنے سے نگاہ بڑے بڑے بلند مکانات پر پڑنے لگی تو ایک شاہزادی (بنت اکبر بادشاہ) نے کہ جس کا مکان اسی نواح میں تھا۔ حضرت کو از راہ خفگی کہلا بھیجا کہ اگر کوئی امیر ایسی حرکت کرتا تو فوراً کیفر کردار کو پونچ جاتا۔ مگر تم فقیر ہو کچھ کہا نہیں جاتا۔ ہماری خوشی اسی میں ہے کہ ہفت منزلہ دمدمہ گرادو۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ ہم اس مکان کو نیچا کر لیتے ہیں مگر یاد رہے کہ تیری حویلی کا بھی عنقریب ہی نام و نشان نہ رہیگا۔ جب رات ہوئی تو آپ نے سب سے اوپر کی منزل پر چڑھکر رقص عارفانہ بحالت وجد کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ دمدمہ کی نیچے کی پانچ منزلیں زمین میں دھس گئیں اور صرف اوپر کی دو منزلیں رہ گئیں جواب موجود ہیں۔ جب لوگوں نے حضرت کی یہ کرامت دیکھی تو حصول فوائد کے لئے خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ انہیں دنوں میں دوہومل کھتری بحصول اولاد چند خربوزہ بطریق نذر لیکر حاضر ہوا۔ حضرت نے نظر منظور فرماکر دو خربوزے اس کو واپس دیدیئے اور آپ نماز پڑھنے لگے دوہومل نے اس خیال سے کہ یہ خربوزے مجھے تراشنے کو دیئے گئے ہیں ایک خربوزہ کو تراشنا شروع کیا۔ جب حضرت نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ یہ کیا کیا یہ خربوزے تراشنے کو نہیں دیئے گئے تھے بلکہ یہ دو فرزند تھے۔ خیر اب بھی جو ایک خربوزہ ثابت باقی ہے اسکو اپنی عورت کو کھلادے جناب الہی سے اب بھی دو بیٹے ہی ہونگے۔ مگر اتنا فرق ہو گا کہ ایک ہندو اور ایک مسلمان ہو گا جو ہمارا خادم رہے گا کچھ مدت کے بعد

له یہ سرائے بڑی سرائے تھی پندرہ بیس ہزار آدمی اس میں سما سکتا تھا۔ اب ٹوٹے پھوٹے نشان باقی ہیں۔

ددھوپل کے گھر بیٹا پیدا ہوا۔ جس عقیدت کو اور بھی ترقی ہوئی چار سال کے بعد ایک
اور لڑکا پیدا ہوا جو خفیف القویٰ اور مجنون سا تھا جسے وہ حضرت کے ارشاد کے
مطابق اُن کی نذر کو لایا حضرت نے شیخ فریدالدین اُس کا نام رکھا جب وہ بڑا ہوا
تو محلہ جوڑے موری میں ایک مکان اُس کو خرید دیا۔ چنانچہ اب تک وہ مکان
مکان شاہ جمال کے نام سے مشہور چلا آتا ہے شیخ فریدالدین حضرت کا نہایت ہی
فرمانبردار خادم تھا اور حضرت بھی اُس کی طرف بہت خیال رکھا کرتے تھے
آخر جب فریدالدین صاحب اولاد ہو گیا تو حضرت نے ایک دن اُس کے مکان
کے نیچے آکر آواز دی کہ عیال و اطفال اور اسباب وغیرہ گھر سے باہر نکال لو اُس نے
بغیر سبب پوچھنے کے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ خدا کی قدرت کہ جب شیخ فریدالدین تمام
مال اسباب گھر سے باہر نکال چکا تو مکان گر پڑا۔ شیخ فریدالدین کی اولاد اب
تک لاہور میں موجود ہے حضرت شاہ جمال کی وفات کے تذکرہ کے متعلق لکھا ہے
کہ چاہ چرخی دار کے پاس ایک حجرہ قالبوتی تھا جس میں آپ بحین حیات اکثر
عبادت کیا کرتے تھے ایک دفعہ آپ اس میں چلہ بیٹھے۔ تیس دن کے بعد جبکہ
چلہ کے ختم ہونے میں دس دن باقی تھے حجرہ کے بیرونی در کا چھت گر پڑا۔ اور آپ
بیچ میں آگئے۔ خدام نے چاہا کہ حضرت کو باہر نکالیں مگر اندر سے آواز آئی کہ
جو ہونا تھا ہو گیا مشیت ایزدی میں کیا چارہ ہے اب ہمارا پردہ فاش
نہ کرو بلکہ حجرہ کا دروازہ بند کر کے اوپر قبر کا نشان بنا دو چنانچہ شیخ فریدالدین و
دوسرے خدام نے دروازہ بند کر کے اوپر قبر کا نشان بنا دیا بعض اس طرح بیان
کرتے ہیں کہ اس حجرہ میں آپ ہر روز حسب معمول بوقت ظہر جایا کرتے اور بوقت
عصر باہر آیا کرتے تھے ایک دن اندر جا کر آواز دی کہ دروازہ باہر سے بند کر دو
جس کی شیخ فریدالدین نے تعمیل کر دی یہ واقعہ چار ماہ ربیع الثانی ۱۰۶۱ھ
کا ہے سلسلہ آپکا سہروردیہ قادریہ تھا جو بارہ واسطوں سے حضرت مرتضےٰ علی
تک پہنچتا ہے چاہ چرخی دار کی مرمت جس کی منڈیا اب چونہ گچھ ہے بعد مہاراجہ
شیر سنگھ راجہ دھیان سنگھ نے اپنے صرف سے تیار کرائی تھی تاریخ وفات کو آپ کا
سالانہ عرس ہوتا ہے جس میں لاہور۔ قصور۔ امرتسر سے اکثر شیخ لوگ آتے ہیں

اُن کے علاوہ لاہور اور اس کے گرد و نواح کی بھی بیشمار خلقت وہاں شب باش ہوتی ہے بھنڈارہ اچھا ہوتا ہے ۔سرود و سماع کی محفل بھی گرم ہوتی ہے آج سے پچاس سال پہلے شیخ لوگ رسم ناطہ بھی اسی مزار پر ادا کیا کرتے تھے مگر اب غالباً یہ رسم نہیں ہے۔ تحقیقات چشتی میں لکھا ہے کہ میلا کچھ ایسا بڑا نہیں ہوتا ۔معمولی شیخ لوگ اور چند دوکانیں ہوتی ہیں"۔ ممکن ہے اس زمانہ میں (جسکو نصف صدی کا عرصہ گذر چکا ہے) ایسی ہی بے رونقی ہو مگر اب تو وہاں نہایت رونق ہوتی ہے۔ گاڑیاں۔ بگھیاں۔ ٹم ٹم اور چھکڑے اس کثرت سے میلہ عرس کے دن چلتے ہیں کہ جن کا شمار بھی مشکل ہے سینکڑوں لوگ اپنے عیال و اطفال زنانہ و مردانہ اور چھوٹے چھوٹے بچوں کو ساتھ لیکر وہاں شب باش ہوتے ہیں دوکانیں بھی کثرت سے ہوتی ہیں اور خلقت کا ہجوم بھی حد شمار سے زیادہ ہوتا ہے اس مزار کی نسبت یہ خبر آج تک مشہور چلی آتی ہے کہ اگر کوئی شخص عرس کی رات کے علاوہ کسی اور رات وہاں شب باشی کرے تو اسکو وہاں شیر دکھائی دیتے ہیں اور نہایت ہیبت اور خوف آتا ہے۔

درس میاں وڈا

آپ کا اصل نام حافظ محمد اسمعیل تھا والد کا نام فتح اللہ بن عبداللہ خاں بن سرفراز خاں تھا آپ کے آبا و اجداد قوم کھوکھر موضع ترگران علاقہ پوٹھوہار میں زراعت کا کام کیا کرتے تھے مگر جب میاں وڈا ۹۵۵؁ ہجری میں پیدا ہوئے تو ان کے والدین نے موضع لنگر مخدوم عبدالکریم میں (جو سب دریائی چناب موجود ہے) نقل مکان کر لیا میاں وڈا کے والد میاں فتح اللہ صاحب علم ظاہری و باطنی میں کامل تھے مزار اون کا موضع چھبہ میں بلب دریائے چناب زیارت خلق اللہ ہے حضرت حامد قادری جن کی خانقاہ مقبرہ نواب علیمردان خان کے پاس ہے اپنے استاد حافظ تیمور کی زبانی روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت میاں وڈا صاحب بحالت خورد سالی اوستاد سے سبق پڑھ رہے تھے لفظ زبور کو استاد زبر سے پڑھاتا تھا اور حضرت زیر سے پڑھتے تھے۔ اُستاد نے حسب عادت خود قیلولہ

کیا تو خواب میں دیکھا کہ ایک فرشتہ انکو بمعہ شاگرد لوح محفوظ پر لے گیا ہے
جہاں وہ لفظ ایسا ہی لکھا ہوا دیکھا جیسا کہ حضرت میاں وڈا کہہ رہے تھے
اوستاد نے جب یہ حالت دیکھی تو حضرت کے والدین کو بلا کر گذشتہ واقعہ
سنایا اور کہا کہ یہ لڑکا صاحب کمال ہوگا اوس کے پڑہانے کی مجھہ میں طاقت نہیں
ہے اسکو کسی اوستاد کامل کے پاس لے جاؤ حضرت کے والدین نے آپ کو
مخدوم عبدالکریم[1] صاحب کی خدمت میں پیش کیا آپکو تحصیل علم کا نہایت ہی شوق
تھا اور دل وجان سے اوستاد کی خدمت کیا کرتے تھے استاد کی طرف
سے آپ کو آسیا سائی یعنی چکی پیسنے کی خدمت ملی ہوئی تہی ایکدن کا ذکر ہے
کہ استاد کو وقت پر آٹا نہ پونچا انہوں نے ایک طالب علم کو بہیجا کہ جاؤ جاکر اس
تاخیر کا باعث معلوم کرو جب وہ طالب علم (درویش) وہاں پونچا۔ کیا دیکھتا ہے
کہ میاں وڈا صاحب مشغول تلاوت قرآن شریف ہیں اور چکی خود بخود آٹا پیس رہی
ہے وہ درویش یہ عجیب واقعہ دیکھکر میاں وڈا صاحب کو فرمانے لگے کہ آج سے
جو خدمت تمہارے سپرد تہی وہ موقوف کی گئی تم تحصیل علوم میں مشغول رہا کرو
جب آپ کوئی نہ کوئی خدمت لینے کو بضد ہوئے تو استاد نے فرمایا کہ اچھا
ہمارے مویشیوں کا دودہ دونوں وقت دوہ دیا کرو آپ دودہ دوہنے میں
یہاں تک مشاق اور متدین ثابت ہوئے کہ محلہ والوں نے بہی یہ خدمت آپ ہی
سے لینی مناسب سمجہی آپ کا قاعدہ تہا کہ دودہ کے تمام برتنوں کو سر پر اٹھا کر
جس کا برتن ہوتا تہا اسکو دے آیا کرتے تھے ایک دن مخدوم صاحب اپنے
کوٹھے پر بیٹھے ہوئے تھے اور حضرت میاں وڈا صاحب سر پر برتن اوٹھائے
چلے آتے تھے مخدوم صاحب نے دیکھا کہ برتنوں کی قطار میاں صاحب
کے سر سے کسی قدر بلند ہو کر اُن کے سر پر سایہ کئے ہوئے چلی آتی ہے جب
میاں وڈا صاحب استاد کی خدمت میں آئے تو مخدوم صاحب نے باعزاز
تمام اُن کو کہا کہ آپ اب ولئی کامل ہو گئے ہیں اور چونکہ بر شتہ شاگردی

---

[1] مخدوم صاحب اپنے زمانے کے عارف کامل اور متشرع فاضل تھے۔

واستادی آپکو تکلیف ہوتی ہے اس لئے آپ اب تشریف لے جائیں۔ اوستاد
کے شاگرد کے مطابق آپ لب دریائے چناب ایک درخت شیشم کے نیچے جا بیٹھے
جہاں آپ نے درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا اُس درخت کی جگہ اب موضع
لنگے آباد ہے جو ان کے شاگرد محمد افضل (لنگڑے) کے نام پر لنگے مشہور ہے
یہاں بھی آپ سے کئی کرامات ظاہر ہوتی رہیں کچھ عرصہ کے بعد آپ کو لاہور
میں آنیکا اشارہ ہوا چنانچہ آپ بعمر تینتالیس سال لاہور محلہ تیل پورہ میں
تشریف لائے لاہور میں قیام کرنے کے چندروز بعد حضرت داتا گنج بخش کی مزار
پر ایک چلہ کیا جب چلہ سے فارغ ہو کر محلہ تیل پورہ میں واپس آئے تو اکثر
طالب علم مستفیض ہونے لگے میاں وڈا صاحب علم فقہ و حدیث میں دستگاہ
کامل رکھتے تھے فیضان اون کا بہت تھا قرآن شریف اور فقہ و حدیث کی کتابیں
سینکڑوں لوگوں نے آپ سے پڑھیں۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ ایک
شخص نے آکر کہا کہ یا حضرت میری عورت قرآن شریف کی حافظ ہے مجھے اُس
سے شرمندگی آتی ہے ایسی نظر الطاف کیجئے کہ میں ایک ہی دن میں قرآن شریف
کا حافظ ہو جاؤں آپ نے فرمایا کہ تو اُمی محض ہے چھ مہینے میں تجھکو حفظ
کرا دیں گے اُس نے جب نہایت اصرار کیا تو آپ نے فرمایا کہ اچھا جب ہم
سلام پھیریں گے تو انشاءاللہ تو حافظ قرآن ہو جائیگا چنانچہ جب یہ موقع آیا۔ تو
دائیں طرف کے تمام نمازی (جن میں سایل بھی موجود تھا) سلام پھیرنیکے بعد حافظ
قرآن اور بائیں طرف کے ناظرخوان ہو گئے یہ کرامت آپ کی دور دور تک
مشہور ہو گئی آپ نے فرمایا۔ کہ یہ فیضان ہماری قبر سے بھی برابر جاری رہیگا
چنانچہ لاہور اور دور دور تک یہ مشہور ہے کہ حضرت کے مزار کا گھاس
کھانے سے خواہ کیسا ہی کند ذہن کیوں نہ ہو وہ بھی معمول سے جلدی قرآن

سلہ جب لاہور شالامار باغ سے پرے تک آباد تھا اس زمانہ میں جہاں اب حضرت کا مزار ہے تیلیوں کا ایک محلہ تھا
اُس جگہ تیلیوں کا گورستان ہی اور تیلیوں کا محلہ بنام تیلیونکا رڈا خالی شہر میں آباد ہے۔

شریف حفظ کر لیتا ہے۔ آج کل بھی ساٹھ ستر مسافر یتیم۔ اندھے۔ مفلس وغیرہ)
آپ کے مزار پر درس و تدریس میں مشغول رہتے ہیں میاں وڈا صاحب چار حقیقی
بھائی تھے اور چاروں ہی تمام عمر مجرد اور تارک الدنیا رہے ایک بھائی کا نام
محمد خلیل تھا۔ وہ بھی صاحب باطن ہو گذرے ہیں۔ قبر اُن کی موضع جھنی دا چک
ضلع سیالکوٹ میں زیارت خلق اللہ ہے۔ دوسرے بھائی کا نام محمد ابراہیم
ہے جن کی قبر بھی محمد خلیل صاحب کی قبر کے پاس ہی ہے تیسرے بھائی محمد حسین تھے
جن کی قبر گورستان بی بیاں میں بیان کی جاتی ہے آپ بتاریخ ۵ ماہ شوال
۱۰۸۵ھ ہجری ہیں رہگرائے عالم بقا ہوتے آپ کی خانقاہ کے در جنوبی پر
برنگ کانسی یہ قطعہ تاریخ لکھا ہوا ہے۔

شنو تاریخ آن دریائے معنے ۔۔۔ کہ عمرش گشت در عشق خدا صرف
دل و جان کرد قربان الٰہی ۔۔۔ کہ اسماعیل ثانی بود بے صرف

آپ کے سب سے پہلے سجادہ نشین حضرت محمد صالح تھے جو پچیس سال تک آپ کے
بعد درس و تدریس کرتے رہے۔ حضرت محمد صالح کی نسبت یہ روایت مشہور
ہے کہ جب انہوں نے میاں وڈا صاحب کا چرچا سنا تو تحصیل علم کے لئے
لاہور روانہ ہوئے جس دن انہوں نے لاہور میں پونچنا تھا اس دن حضرت
میاں وڈا مسجد سے بار بار کبھی باہر آتے اور کبھی اندر جاتے تھے لوگوں نے
اس تردد اور بے کلی کا باعث پوچھا آپ نے فرمایا کہ آج وہ شخص یہاں آنے
والا ہے جو ہمارے بعد اس تمام ورثہ کا مالک ہو گا اور جس کی متابعت تم
سب لوگوں پر فرض ہو گی تھوڑی ہی دیر کے بعد حضرت محمد صالح بھی آپونچے
میاں وڈا صاحب کے مزار کے پاس ایک مزار میاں جان محمد صاحب کا بھی
ہے جو اپنے وقت کے جنید اور شبلی ہو گذرے ہیں آپ کی وفات ۱۱۰۲ھ
میں ہوئی آپ اور حضرت میاں وڈا کو باہم فیضان صحبت تھا۔ آپ کے مزار
پر قطعہ مندرجہ ذیل اشعار میں درج ہے ؎

جہان معنے و جان محمد ۔۔۔ کہ از عشق محمد گشتہ محمود
خرد از فضل حق تاریخ سالش ۔۔۔ وصال عاشق و معشوق فرمود

درس میاں وڈا کا ایک خونریز جنگ بھی قابل تحریر ہے جو مہاراجہ دلیپ سنگھ کے وقت سنہ ۱۸۴۴ء میں واقعہ ہوا تھا۔ اس کی کیفیت اس طرح ہے کہ راجہ ہیرا سنگھ وراجہ دھیان سنگھ وزیر اور پنڈت جلا مشر اور مدار المہام کی موجودگی میں راجہ سوچیت سنگھ برادر حقیقی مہاراجہ گلاب سنگھ سابق والئے جموں وکشمیر نے سلطنت لاہور کی وزارت کا دعویٰ کیا لاہور سے جموں پونچکر اُس نے خفیہ کارروائیاں کرنا شروع کیں۔ بعض سکھ افسروں کی صلاح سے وہ کچھ فوج لیکر روانہ لاہور ہوا اور جب دریائے راوی پر پونچا۔ تو چند امراو مصاحب اور کل پچاس سواروں کی جمعیت سے دریا گذر کر بیرون شہر آگیا یہاں آکر معلوم ہوا کہ سکھ افسر جنہوں نے امداد کا وعدہ کیا تھا۔ بدعہد ہو گئے ہیں واپسی کا ارادہ کیا اگر تقدیر اچھی ہوتی تو اسی وقت اپنی فوج میں دریا پار چلا جاتا۔ مگر جب خانقاہ حضرت میاں وڈا تک پونچا تو حکم دیا کہ رات کو ڈیرہ اسی جگہ ہو۔ ہر چند اس وقت کے سجادہ نشین میاں شرف الدین نے نذر دکھا کر سمجھایا کہ یہ جگہ محفوظ نہیں ہے آپ شالا باغ میں یا اپنی فوج میں چلے جائیں۔ مگر راجہ کے سر پر موت منڈلا رہی تھی۔ اس نے ایک بھی نہ مانی۔ ابھی دن اچھی طرح بھی نہ نکلا تھا کہ سکھوں کی تمام فوج معہ توپ خانہ آپونچی۔ اور مکان کا چاروں طرف سے محاصرہ کرلیا۔ افسران فوج نے راجہ ہیرا سنگھ سے کہا کہ یہ فقیر کا مکان ہے گولہ باری نہ ہونا چاہئیے راجہ ہیرا سنگھ نے کہا جس قدر مکان کا نقصان ہوگا ہم مرمت کرادیں گے غرض گولہ باری اور تیر و تفنگ شروع ہو گئے راجہ سوچیت سنگھ ہر چند نہایت بہادری سے لڑا اور جب تک کشتوں کے پشتے نہ لگ گئے اسکو چین نہ آیا مگر اس قدر ٹڈی دل فوج میں ایک اکیلی جان کیا کر سکتی تھی۔ آخر بچارا قتل کیا گیا۔ مزار حضرت میاں وڈا کا بنام درس میاں وڈا مشہور ہے اور شالامار باغ سے جنوب کی طرف واقعہ ہے جب عالمگیر نے تخت شاہی پر جلوس فرمایا تو بہت سی زمین اور چاہات کی معافی اس مزار کے نام واگذار کردی مہاراجہ رنجیت سنگھ نے بھی دو مزروعہ چاہات عطا کئے موضع لنگے اور لون بیانی میں بھی ایک چاہ اور پندرہ سو بیگہ زمین کی معافی ہے۔

بی بی پاکدامنان

یہ قبرستان لاہور کا ایک مشہور قبرستان بیوی صاحبان کے نام سے مشہور ہے انکی کیفیت صاحب تحقیقات اس طرح لکھتے ہیں کہ یہ کل چھ بی بیاں تھیں ایک تو حضرت مرتضیٰ علیؓ کی صاحبزادی ہمشیرہ حضرت عباس باسم رقیہ المشہور بی بی حاج تھیں اور پانچ صاحبزادیاں حضرت عقیلؓ برادر حضرت علی مرتضےٰ کی صاحبزادیاں تھیں جن کے نام درج ذیل ہیں۔ بی بی حور (۲) بی بی نور (۳) حضرت بی بی گوہر (۴) حضرت بی بی تاج (۵) حضرت بی بی شہباز[۱]۔ روایت ہے کہ جب سید الکونین حضرت حسین شاہ کربلا کوفہ کو روانہ ہوئے۔ تو یہ بیبیاں بھی ہمراہ تھیں ۹ محرم الحرام کو حسب ایمائے باطنی جناب علی مرتضیٰ کے آپ نے ان بی بیوں کو یہاں سے کسی طرف نکل جانے کا ارشاد فرمایا انہوں نے بادیدہ پرنم عرض کی کہ یا اخی ہم آپ کو اس حال میں چھوڑ کر کہاں جائیں اور قیامت کے دن بی بی فاطمہ کو کیا منہ دکھائیں گے آپ نے فرمایا کہ امر مجبوری ہے میں اپنی طرف سے نہیں کہتا شیر خدا علی مرتضیٰ کا حکم ہے بی بیوں نے عرض کیا کہ کس طرف جائیں حضرت نے ہندوستان کا اشارہ کیا آخر یہ بی بیاں وہاں سے روانہ ہوئیں دوسرے دن رستہ ہی میں وہ واقعہ جان گداز سنا جس کے بیان کرنے کے لئے پتھر کا دل چاہئے اور جس کا انصاف قیامت کے دن ہونیوالا ہے یہ مظلوم اور غریب الوطن بی بیاں معہ ایک چھوٹی سی جماعت کے ایک عرصہ کے بعد آخرکار لاہور میں وارد ہوئیں بیان کیا جاتا ہے کہ جب یہ بیبیاں لاہور میں پہنچیں تو آتش کدے سرد ہوگئے اور بتوں میں فتور اور خلل برپا ہوا لاہور کے راجہ نے جوتشیوں سے اس تہلکہ کا باعث پوچھا جنہوں نے بالاتفاق بیان کیا کہ یہاں چند پاکدامن عرب شہزادی بیبیاں آئی ہیں یہ انہیں کے قدوم کا نتیجہ ہے راجہ نے انکی طلبی کیلئے آدمی بھیجے ستم رسیدہ بی بیاں بہت

---

[۱] بظاہر یہ تمام نام زبان فارسی کے معلوم ہوتے ہیں۔

حیران ہوئیں کہ اول تو ہم مظلوم پھر اہل وطن اور بھائیوں کی جدائی اس پر ملک بیگانہ غرض جب آدمی لینے کو آئے تو انہوں نے انکار کر دیا۔ آخر راجہ نے اپنے بیٹے کو بھیجا کہ یا تو اُن کو حاضر کرو یا اپنی قلمرو سے نکال دو۔ جب راجہ کا بیٹا بیبیوں کے پاس آیا تو انہوں نے ازراہ منت وسماجت کہا کہ بابا ہم غریب مسافر ستم رسیدہ اور بے خانماں ہیں برائے خدا ہم کو تکلیف نہ دو۔ اگر ہمارے یہاں رہنے سے ناراض ہو تو ہم لوگ چلے جائیں گے۔ راجہ کے بیٹے نے کہا میں مجبور ہوں اور والئے ملک کے حکم کی تعمیل ضروری ہے آخر جب راجہ کا بیٹا بضد ہوا تو بی بی صاحبہ کلاں (بی بی تاج) نے راجہ کے بیٹے کو اس نگاہ غضب وجلال سے دیکھا کہ وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا جب اُسے ہوش آیا تو رویا اور بی بی صاحبہ کے قدم مبارک پر گر پڑا اور معافی کا طلبگار ہو کر دعوت اسلام کو قبول کیا جب یہ خبر راجہ کو پہنچی تو نہایت پریشان ہوا کچھ دنوں کے بعد تمام ہندوؤں نے بلوہ کر کے شورش کر دی اور بی بیوں کو تنگ کرنا شروع کیا۔ بیبیاں بیچاری ابھی حادثہ کربلا بھی فراموش نہ کر چکی تھیں کہ اور مصیبت پیش آگئی آخر جناب الٰہی میں بخضوع وخشوع دعا کی کہ بارالٰہا ہم لوگوں کا پردہ رکھ لے زمین کو حکم دے کہ ہمیں اپنی آغوش میں لے لے۔ یہ دعا فوراً مستجاب ہوئی۔ زمین کو شگاف ہوا اور تمام بی بیاں اس میں سما گئیں جب اس کنور راجہ کے بیٹے نے جس کا اسلامی نام عبداللہ تھا۔ یہ کرامت دیکھی تو صدق دل سے فقیر ہو گیا اور تمام بیبیوں کی قبریں بنا کر مجاوروں کی طرح رہنے لگا۔ راجہ ہر چند اپنے بیٹے سے محبت نہ کرتا تھا مگر آتش فرزندی کے لحاظ سے کچھ زمین اس کو دیدی تھی عبداللہ کا نام کچھ عرصہ کے بعد بابا خاکی مشہور ہو گیا۔ نکاح بھی کیا۔ اور اکثر اولاد بھی ہوئی کئی سو سال کے بعد جب سلطان محمود غزنوی المشہور بت شکن سلطان نے راجہ جے پال کو شکست دیکر لاہور میں قدم رکھا اور اُن پاکدامنہ بی بیوں کا تذکرہ سنا تو باسادت قلبی چار دیواری پختہ اور خانقاہ میں چند دالان تعمیر کرائے پھر صدیوں کے بعد اکبر بادشاہ کے عہد میں چند اور

عمارتیں بھی تعمیر ہوئیں اور اسی زمانہ سے یہ قبرستان مقرر کیا گیا۔ شاہان سلف نے جس قدر زمین اس مزار کے ساتھ واگذار کی ہوئی تھی۔ اکبر نے اوس کے علاوہ چار چاہات مزروعہ اور بھی عطا کئے۔ اسی قبرستان میں نواب شیخ امام الدین خان مرحوم صوبہ دار کشمیر کا قبرستان بھی ہے جہاں اُن کی دونوں والدہ اور چند ایک لواحقین مدفون ہیں۔ خانقاہ کی ڈیوڑھی کے اندر باباخاکی کا مقبرہ بھی ہے جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے اور جو سب سے پہلے بی بیوں کے خادم ہوئے تھے اور جن کا انتقال سنہ ۱۰۱۰ ہجری میں ہوا تھا سید جلال الدین[1] حیدر اور ان کے فرزند سید علم الدین اور نبیرہ زین العابدین کی قبریں بھی اسی قبرستان میں ہیں وفات آپ کی ۱۱ محرم سنہ ۱۰۱۶ ہجری کو ہوئی تھی۔ اور مقبرہ کی تعمیر کا زمانہ عہد اکبری اور مقبروں کی تعمیر حسب الحکم اکبر بادشاہ بیان کی جاتی ہے اسی قبرستان میں بی بی حلیمہ المشہود بیوی تنوری کی قبر بھی ہے جو حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ کی اولاد اور حضرت مسعود قریشی کی صاحبزادی بیان کی جاتی ہے بی بی حلیمہ حضرات بی بیاں کی روٹی پکایا کرتی تھی یہ بی بی بھی مظلوم سید انیوں کے ساتھ ہی آئی تھی سنہ ۱۰۱۶ ہجری میں آپ کا انتقال ہوا۔ لاہور کے تمام نان پز یعنی نان بائی لوگ بی بی حلیمہ کو اپنا پیشوا اور پیر سمجھتے ہیں۔ اور اسی لئے بی بی صاحبہ کا نام بیوی تنوری بھی مشہور ہے نان پز لوگ جب کام پر بیٹھتے ہیں۔ تو پہلے بیوی حلیمہ کا نام ضرور لے لیتے ہیں بیوی صاحبان کا عرس بھی سالانہ ہوتا ہے آج سے پچاس سال پہلے سجادہ نشین اللہ دین اور عظیم شاہ تھے جو خاص شیخ عبداللہ۔ المشہور باباخاکی کی اولاد سے ہیں۔ اور جن کا سلسلہ تینتیس واسطوں سے حضرت باباخاکی تک جا ملتا ہے اللہ دین اور عظیم شاہ کے زمانہ میں واگذار مزروعہ و غیر مزروعہ چالیس گھماؤں تھی بہت سی زمین نمبرداران گڑھی شاہو نے بھی شاملات دیہ کر لی تھی۔

---

[1] سید صاحب حضرت موج دریا بخاری کے حقیقی بھائی تھے۔

طاہر بندگی

نام آپ کا شیخ طاہر تھا حضرت لال کمال شاہ صاحب ساکن کیتھل آپ کو طاہر بندگی
کے نام سے بلایا کرتے تھے۔ آپ اسی نام سے ہی مشہور ہو گئے۔ آپ لاہور
کے محلہ[1] شیخ اسحاق میں رہا کرتے تھے آپ حضرت شیخ احمد سرہندی کابلی مجدد
الف ثانی رح کے مرید اور اپنے مرشد کے ہر دو صاحبزادوں شیخ محمد معصوم
اور شیخ احمد سعید کے اوستاد تھے۔ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے ایک دن تمام
مریدوں کو فرمایا کہ آج ہم کو بذریعہ الہام غیب معلوم ہوا ہے کہ ہمارے مریدوں
میں اور حاضرین مجلس میں سے ایک شخص کافر ہو جائیگا تمام مریدوں نے دریافت
کیا کہ یا حضرت وہ کون بدبخت ہے آپ نے فرمایا کہ وہ مسلمان جو تھوڑے
عرصہ کے بعد کافر ہو جائیگا شیخ طاہر ہے تھوڑے عرصہ کے بعد سرہند میں آپ
ایک ہندو عورت پر عاشق ہو گئے اور عشق یہاں تک پونچا کہ آپ زنار پہن کر
اور قشقہ لگا کر بت خانہ میں جا بیٹھے۔ اور اس شعر کو بار بار پڑھا کرتے تھے ؎

کافر عشقم مسلمانی مرا در کار نیست
ہر رگ من تار گشتہ حاجت زنار نیست

بت خانہ میں جا بیٹھنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ عورت ہمیشہ جبیں سائی کے لئے وہاں جایا
کرتی تھی جب یہ خبر حضرت مجدد کے صاحبزادوں کو ہوئی تو اپنے والد بزرگوار کی
خدمت میں عرض کیا کہ ہمارے اوستاد کو کفر کی ضلالت سے بچائیے۔ حضرت
نے اُن کے حق میں دعا کی شیخ طاہر ہوش میں آئے اور بت خانہ سے دوڑتے
ہوئے حضرت مجدد کی خدمت میں حاضر ہو کر توبہ کی حضرت کی مریدی نے آپ
کو فقر کا وہ درجہ عطا کیا کہ آپ کامل ولی ہو گئے سرہند سے جب آپ لاہور تشریف
لائے تو آپ کی شہرت دور دور تک پھیلی آپ کسی سایل یا حاجتمند سے نذر نیاز
یا نقد و جنس کچھ بھی نہ لیا کرتے تھے آپ ہمیشہ کتب احادیث و تفسیر اپنے ہاتھ

---

[1] اب اس محلہ کی جگہ حویلی جمعدار خوشحال سنگھ اور موتی بازار اور چونہ منڈی آباد ہے۔

سے لکھ کر فروخت کیا کرتے تھے اور جو آمدنی اس محنت شاقہ سے ہوتی تھی۔ اسی پر آپ بسر اوقات فرمایا کرتے تھے آپ نے سرہند سے لاہور آکر چند عرائض حضرت مجدد کی خدمت میں لکھے تھے جو کتاب تذکرہ مجددیہ میں درج ہیں۔ ان میں سے ایک عرضی بجنسہ انہیں الفاظ میں درج کی جاتی ہے۔

حضرت من سلامت! احقر الخدمت محمد طاہر بعرض مے رساند کہ چوں از آستانہ علیا متوجہ لاہور شدم۔ در ہر قدمے باخود میگفتم۔ کہ اے نادان! مقصود را گذاشتہ کجا میروی۔ اما از غیب ندا مے آید۔ کہ راہی شو۔ راہی شو۔ فی الجملہ کشان۔ کشاں بایں شہر آوردند۔ و در گوشہ مسجد حیران نشستم۔ ناگاہ روح پر فتوح حضرت خواجہ نقش بند ظاہر شد۔ و باعث گشت کہ برائے کاریکہ معمور شدہ مشغول شوامتثالاً لامرہم واد۔ کم چند کس را مشغول ساختم۔ حالا مجلس گرم است مشایخان عالیشان فوج در فوج تشریف مے آرند والطاف کثیرہ مے فرمایند خصوصاً روح حضرت خواجہ بزرگ یعنی حضرت خواجہ نقشبند و حضرت غوث الاعظم و حضرت خواجہ فرید گنج شکر در حلقہ مے کرد۔ نماز تشریف فرمائے شوند وجناب رسالت مآب با چند ہزار صحابہ و مشایخ تشریف آوردہ در مجلس مے نشیند و نوازشہائے مے فرمایند و در عشرہ اعتکاف خلعت خاص عنایت فرمودند و حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہ الطاف بسیار فرمودند۔ بغایت خاصہ بنواختند۔ وقبل ازیں ہر یک از نسبت ثلاثہ یعنی نقشبندیہ قادریہ وچشتیہ نوبت بنوبت رومیداوند۔ گاہے مخلط ہم مے شدند گاہے غالب و مغلوب مے بودند یک نوبت نسبت چشتیہ غلبہ عظیم کرد۔ بحدیکہ از نسبت ہائے دیگر ناامید گشتم دریں ضمن نسبت نقش بندیہ غلبہ کرد و دیگر نسبتہائے را زیر نمود وحالا ہر سہ نسبت ہائے کہ شدند و دریں ایام نسبت مشایخ کم است و نسبت اصحاب نبویہ زیادہ تر است وسوائے نسبت اصحاب خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اکثر اوقات بندہ در نسبت حضرت پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم مے باشد و بسیار خوش می آید ومطلوب فقیر ہم غیر ازیں نیست کہ عین نسبت حضرت پیغمبر زیادتی و ترقی گیرد

وفات آپ کی بروز پنجشنبہ ہشتم ماہ محرم سنہ ۱۰۴۰ ہجری کو وقوع میں آئی

آپ کا مزار پُرانوار حظیرۂ میانی میں ہے۔ جو لاہور کا اعظم ترین قبرستان ہے اور جس میں ہزاروں بلکہ لاکھوں امیر غریب بچے بوڑھے جوان عورت و مرد اس قیامت کی نیند سوئے ہیں کہ ع جنہیں جاگنا حشر تک قسم ہے مشہور ہے کہ آپ کے مزار کے ارد گرد جسقدر قبور ہونگی اُن سب پر رحمت الٰہی نازل ہوگی۔ اسی لئے اکثر لوگ احاطہ کے اندر نہایت فخر اور عزت سے اپنے عزیز و اقارب کی قبروں کے لئے جگہ لیتے ہیں یہ بات بھی ابتدا سے مشہور چلی آتی ہے کہ چبوترہ مزار پُرانوار جس پر حضرت کی قبر ہے تابش آفتاب سے سردی تو سردی گرمی کے موسم میں بھی گرم نہیں ہوتا دھوپ کیسی ہی شدت کی کیوں نہ ہو۔ یہ چبوترہ ہمیشہ سرد رہتا ہے ؂

شاہ بلاول

حضرت کے جد امجد اور والدین ہرات سے ہمایوں بادشاہ کے ساتھ ہندوستان میں داخل ہوئے تھے جب ہمایوں کی حکومت نے شیر شاہ سوری کے خاندان سے اپنی مملکت صاف کر لی اور ہمایونی ڈنکے چاروں طرف بجنے لگے تو آپ کے جد امجد شیخ عیسیٰ اور آپ کے والد شیخ عثمان نے ہمایوں سے وطن جانے کی اجازت مانگی مگر بادشاہ نے کہ اُن کا معتقد تھا اجازت نہ دی اور کمال مہربانی سے شیخوپورہ[۱] کا علاقہ جس کا نام اُس زمانہ میں کچھ اور تھا۔ معاش اور رہایش کے لئے عطا کر دیا۔ شیخوپورہ میں ایک دن حضرت شاہ بلاول بعالم طفولیت بعمر سات سال لڑکوں میں کھیل رہے تھے کہ ایک عورت بصد حسرت و سوز اُن کے پاس سے روتی ہوئی گذری آپ نے اُس سے رونے کا سبب دریافت فرمایا۔ اُس نے کہا کہ اے بلاول میرا لڑکا جو تمہارے ساتھ کھیلا کرتا تھا آج مر گیا ہے آپ نے فرمایا کہ وہ مرا نہیں سوتا ہوگا۔ چل مجھے دکھا تو سہی عورت اُن کو اپنے گھر لے گئی جب حضرت بلاول اپنے ساتھی کے سرہانے پہنچے تو فرمایا کہ اے دوست اوٹھ یہ وقت کھیلنے کا وقت ہے یا

[۱] یہ شیخوپورہ لاہور سے بجانب غرب بارہ کوس کے فاصلہ پر ہے۔

سونپنے کا۔ خدا کی قدرت سے وہ لڑکا آنکھیں ملتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا۔ جب یہ کرامت حضرت بلاول کی نزدیک و دور مشہور ہوئی تو آپ کے والد شیخ عثمان آپ کو لاہور میں درس تدریس کیلئے مسجد شیخ فتا میں لے آئے جب آپ کو اوستاد نے بسم اللہ شریف پڑھا کر کہا کہ اب پڑھو الف بے تے۔ آپ نے سارا قاعدہ وہیں بیٹھے بیٹھے سنا دیا اور دوسرے دن سارا قرآن شریف پڑھ دیا۔ اوستاد نے آپ کے والد سے کہا کہ یہ لڑکا تو بہت عمدہ پڑھتا ہے اور غالباً قرآن شریف آگے ہی پڑھا ہوا ہے۔ شیخ عثمان نے کہا کہ ابھی تک اُس نے ایک حرف بھی کہیں سے نہیں پڑھا۔ یہ سنکر اوستاد بھی آپ کا ادب کرنے لگا۔ چھ مہینے میں آپ نے قرآن شریف حفظ کر لیا کچھ عرصے کے بعد حضرت بلاول بیمار ہو گئے اُن کے والد نے گلستاں سے فال نکالی تو یہ شعر نکلا ؂

شخصے ہمہ شب بر سر بیمار گریست

چوں روز شد آں بمرد و بیمار بزیست

اس مضمون سے شیخ عثمان کو اپنی وفات اور حضرت بلاول کی صحت کا یقین ہو گیا چنانچہ کچھ دنوں کے بعد ایسا ہی ہوا آپ سے بہت سی کرامات مشہور ہوئیں جن میں سے چند ایک کا بیان کیا جاتا ہے۔ ذکر ہے کہ آپ کے محلہ میں ایک غریب اور مفلس شخص کے گھر لڑکا پیدا ہوا۔ مخنث اور نقال لوگ مبارکبادی دینے کے لئے آئے آپ نے اس غریب کی پردہ پوشی کے لئے ایک مٹی کا آفتابہ لے کر ایک دیوار پر زور سے مارا۔ اوس آفتابہ کے جس قدر ٹکڑے ہوئے خدا کی قدرت سے وہ طلائی ہو گئے جن کو نقال لوگ اٹھا کر لے گئے ایک دفعہ رات کو چور آیا حضرت کے باورچی خانہ میں ہمیشہ اسباب شاہانہ اور لنگر موجود رہتا تھا۔ جب چور باورچی خانہ میں داخل ہوا تو فوراً اندھا ہو گیا۔ اور اُسی حالت میں ایک کوٹھڑی میں جا چھپا۔ صبح کو جب بوقت چاشت تمام مسافروں اور حاضرین نے روٹی کھالی تو آپ نے فرمایا کہ فلاں حجرہ میں جاؤ وہاں ایک شخص بھوکا بیٹھا ہے اس کو بھی کھانا کھلا دو۔ کھانے کے بعد اُسکو کچھ نقد بھی عطا

فرمایا۔ چور نے شرمندہ ہو کر عرض کی کہ یا حضرت! میں چوری سے تمام عمر کے لئے
توبہ کرتا ہوں خدا سے میری آنکھیں مجھے دلوا دیجئے۔ آپ نے دست شفقت
اسکی آنکھوں پر پھیرا جس سے وہ فوراً بینا ہو گیا آپ کا لنگر خانہ بہت بڑا ہوتا تھا
ہزاروں مسافر اور عام لوگ ایک ہی دستر خوان سے کھانا کھایا کرتے
تھے آپ خود ہمیشہ دائم الصوم اور قائم اللیل رہا کرتے تھے۔ ساگ چولائی سے
آپ کو بڑی رغبت تھی اور بڑے شوق سے اوس کو تناول فرمایا کرتے تھے۔
آپ متشرع بھی پرلے درجہ کے تھے یہاں تک کہ تمباکو جیسے معمولی نشہ سے بھی آپکو
سخت نفرت تھی اور آپ کی محفل میں کوئی حقہ نوش داخل نہ ہو سکتا تھا نماز
پنجگانہ باجماعت پڑھا کرتے تھے۔ لباس ہمیشہ فاخرہ پہنتے تھے۔ صبح سے
گیارہ بجے تک آپ مراقبہ میں رہا کرتے۔ بعد ازاں تا دوپہر مریدوں اور خادموں
اور زائرین سے ہم کلام رہتے تھے بوقت زوال قدرے قیلولہ فرماتے پھر نماز
ظہر کے بعد نماز عصر تک متوجہ بحق رہا کرتے اس عرصہ میں صدہا نہیں بلکہ ہزارہا
مخلوق بامید شفائے بیماران حضرت کے پاس پانی دم کرانے کے لئے لاتی تھی
دو منشی ہمیشہ آپ کے پاس موجود رہتے تھے جو مظلوموں اور حاجتمندوں کی
سفارشین حکام اعلیٰ کی طرف لکھا کرتے تھے ہر رقعہ کی لوح پر "اللہ بس
ماسوائے اللہ ہوس" ضرور لکھا جاتا تھا آپ کی سفارشیں ایسی کارگر ہوتی تھی
کہ خونی مجرم بھی رہا ہو جایا کرتے تھے شام کے وقت آپ پانی کے گھونٹ
سے روزہ افطار کرتے پھر نماز مغرب پڑھکر خلوت میں جاتے۔ جہاں کسی کو
آنیکی اجازت نہ تھی خلوت میں چند رکعات نوافل ادا کرنیکے بعد ۹ بجے شب کے
قریب دستر خوان پر آیا کرتے تھے آپ کی پیدائش جہانگیر کے زمانہ اور وفات
بعمر ۸۷ سال شب دوشنبہ ۲۸ ماہ شعبان ۱۰۴۰ھ ہجری کو بعہد شاہجہان
واقعہ ہوئی۔ شاہ جہاں بادشاہ نے حضرت کے مطبخ کا خرچ دیکھہ کر بہت سا
روپیہ نذر کیا آپ نے نذر قبول فرما کر مہتمم مطبخ کو تمام روپیہ دیدیا
شاہ جہاں نے بنظر استعجاب پوچھا کہ یہ روپیہ حضرت میاں میر نے قبول نہیں فرمایا
اور آپنے فرمالیا اس میں بھید کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ حضرت میاں میر کلی بصفات

ہیں۔ دنیا کی طرف اون کی بالکل توجہ نہیں۔ ہم نے مساکین۔ مسافرین اور درویشوں کی خدمت گذاری پہ کمر باندھی ہوئی ہے ہم کو البتہ ضرورت رہتی ہے یہ جواب سُنکر شاہ جہاں پھر حضرت میاںمیر کے پاس گیا اور اُن سے کہا کہ آپ نے میری نذر قبول نہ فرمائی اور حضرت بلاول نے قبول فرمالی۔ اس کا کیا باعث ہے۔ آپ نے فرمایا کہ دلی کامل دریا کی مانند ہیں۔ اور میں بے چارا ایک معمولی چھپڑ (جوہڑ) ہوں۔ دریا میں اگر کوئی چیز پلید پڑ جائے تو دریا پلید نہیں ہوتا۔ البتہ چھپڑ پلید ہو جاتا ہے۔ شاہ جہاں نے یہ جواب سنکر سجدات شکر ادا کئے کہ الحمد للہ میرے زمانہ سلطنت میں بھی ایسے ایسے اولیائے کامل اور ہادیئے راہ طریقت موجود ہیں۔ قبر آپ کی پہلے لب دریا واقعہ تھی۔ چنانچہ وہ جگہ اب تک شاہ بلاول کا بن مشہور ہے عرصہ اسیؔ سال کا ہوا ہے کہ آپ کی قبر کے پاس دریا کا بہاؤ آگیا تھا آخر صندوق حضرت کا وہاں سے نکلوایا گیا اور اوس مقام پر دفن کیا گیا جو شالامار باغ کے قدیم رستہ کے شمال کی طرف اور باغ راجہ دینا ناتھ سے مشرق کی طرف واقعہ ہے۔ ہر سال کی ۲۸ ماہ شعبان کو عرس حضرت کا ہوتا ہے سکھوں کے زمانہ میں عُرس کے موقعہ پر لاہور کے شوقین لوگ بہت سی آتشبازی چلایا کرتے تھے۔ اب بھی اگرچہ یہ رسم باقی ہے مگر بہت کم۔ آپ یہ دو اشعار عموماً پڑھا کرتے تھے ؎

زندگی مقصود بہر بندگی است | زندگی بے بندگی شرمندگی است
یا الٰہی بدہ تو توفیقم | راہ بنما بسوئے تحقیقم

درس میاں وڈا کی مزار شاہ بلاول پر بھی ایک جنگ ۱۸۴۵ء میں ہوئی جس میں سردار چیت سنگھ سندھاوالیہ نے مہاراجہ شیر سنگھ اور اُس کے بیٹے کنور پرتاپ سنگھ کو جس کی عمر ابھی چودہ سال ہی کی تھی تہ تیغ بید ریغ کر ڈالا تھا آپ مرید حضرت شیخ شمس الدین کے تھے جن کا سلسلہ مریدی نو واسطوں سے حضرت غوث الاعظم تک جاملتا ہے۔

سیّد جان محمد حضوری

آپ کا مقبرہ موضع شاہو گڑھی سے بجانب غرب اور اوس سڑک سے جو میانمیر کو جاتی ہے بجانب جنوب واقعہ ہے آپ کے جد امجد سید شمس العارفین غوری ولایت غور سے آکر لاہور میں سکونت پذیر ہوئے تھے حضوری کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جو کوئی حضرت رسالت پناہ رسول صلعم کی زیارت کا خواستگار ہوتا تہا آپ اُس کا بازو پکڑ لیتے ۔ اور اس کو آنکھوں کے سامنے دربار نبوی سجا ہوا دکھا دیتے آپ نے ہزاروں طالبان دیدار کو پیغمبر صلعم کی زیارت سے مشرف فرمایا آپ کے دادا حضرت سید محمود اور والد حضرت سید شاہ نور اور بیٹے حضرت سید سرور دین بہی حضوری تھے ۔ جو شخص مندرجہ بالا اولیائے کرام کے وسیلہ سے زیارت نبوی کرتا تہا وہ ہمیشہ کے لئے لذات دنیوی کو ترک کر دیتا تھا حضرت سید محمود اور حضرت سید جان محمد حضوری کا مزار ایک ہی چبوترہ پر ہے سید محمود حضوری اپنے پوتے سید جان محمد حضوری سے کچھ کم مشہور نہ تھے ۔ مگر اُن کے کم شہرت حاصل کرنے کا باعث یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شخص عبدالصمد نام سوداگر نے جو حضرت جان محمد حضوری کا مرید تھا ۔ یہ دونوں مقبرے (مقبرہ حضرت سید محمود و مقبرہ حضرت جان محمد) معہ مسجد متصلہ تعمیر کرائے چونکہ وہ خادم حضرت میاں جان محمد کا تھا ۔ اس لئے انہیں کے نام کو زیادہ شہرت ہوگئی ۔ آپ کی وفات دہم ماہ رمضان ۱۰۶۴ سنہ ھ کو واقعہ ہوئی ۔ مزار کے گنبد پر یہ دو شعر لکھے ہوئے ہیں ؎

محمد جان حضور پئے بہشتی — چو در ذات خدا شد محو مطلق
بگفتم از سر اکرام تاریخ ؎ — محمد جان بہشتی واصل حق

مگر ان شعروں سے تاریخ وفات ٹھیک نہیں نکلتی ۔

حضرت کی اولاد کے پاس ایک فرمان عالمگیری اب تک موجود ہے جس کے مطابق ۶۵ بیگہ زمین مزروعہ علاقہ بڑہی شاہ پور مضاف صوبہ دار السلطنت لاہور عطا ہوئی تہی ۔ اور اسی فرمان کی تائید میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے بہی

۲۱۔ ماہ صفر المظفر سنہ ۱۲۱۴ ہجری کو ایک پروانہ عطا کیا تھا۔ فرمان عالمگیری کی نقل درج ذیل ہے۔

نقل فرمان عالمگیری

[2] بسم اللہ الرحمن الرحیم

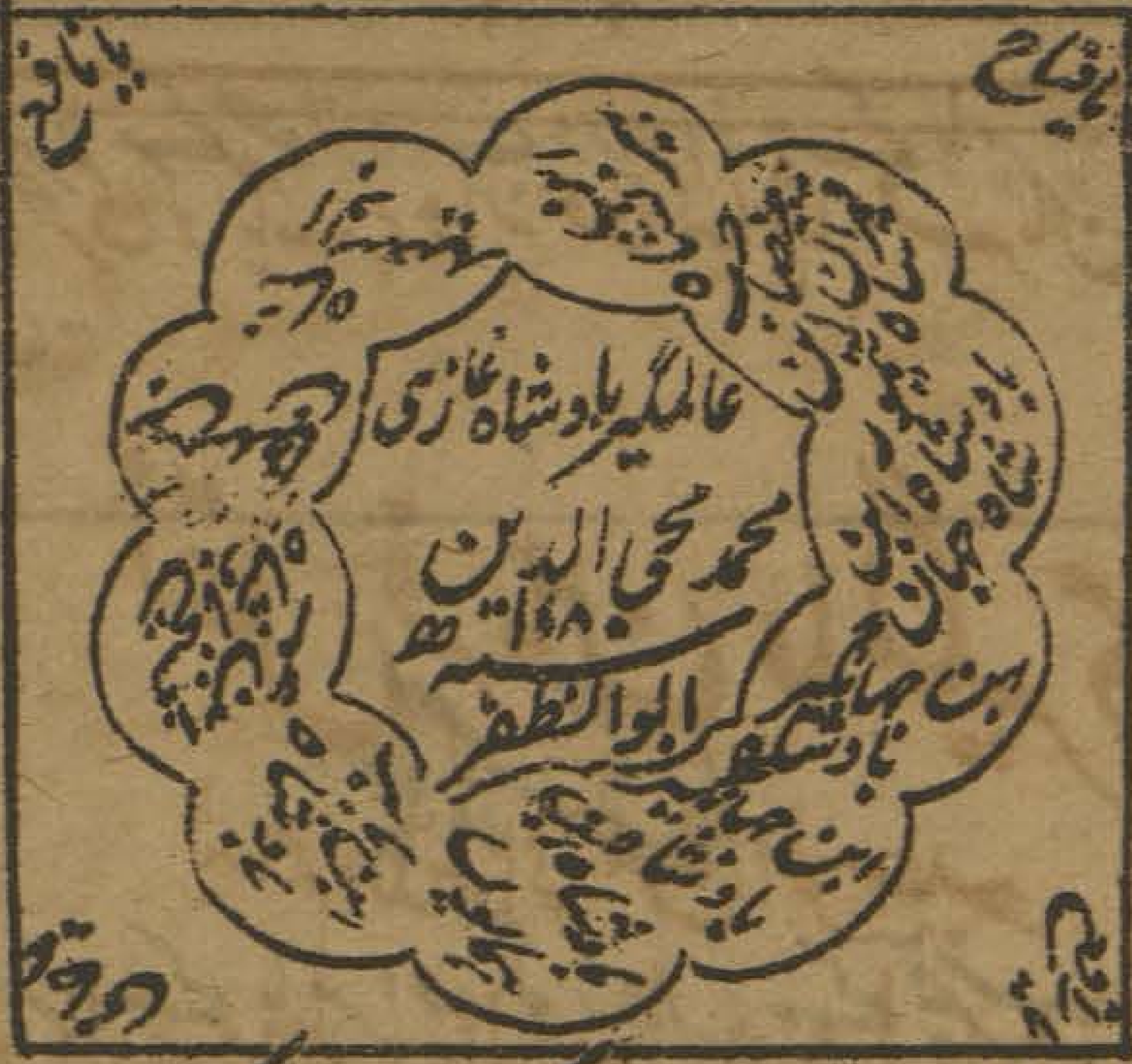
[1] یا ایھا الناس اطیعو اللہ واطیعو الرسول واولی الامر منکم۔ محی الدین اورنگزیب بادشاہ۔

درین وقت فرمان والاشان سعادت نشان شرف صدور یافت کہ موازی شصت وپنج بیگہ زمین افتادہ لائق زراعت خارج از جمع از لڈھی شاہپور مضاف صوبہ پنجاب دار السلطنت لاہور از خریف انتائل در وجہ مدد معاش مسمات نور خاتون[3] وغیرہ بموجب ضمن مقرر باشد کہ حاصلات آنرا فصل بہ فصل وسال بسال صرف معیشت خود ہا نمودہ بدعائے دولت ابد پیوند مواظبت مے نمودہ باشند۔ مے باید کہ حکام وعمال وجاگیرداران وکروڑیان حال واستقبال حکم والا مستمر دانستہ زمین مذکور را پیمودہ وچک بستہ بتصرف آنہا بازگذارند واصلا تغیر وتبدل را بدان راہ ندہند وطلب مال وجہات واخراجات مثل خلعہ وپیشکش وجریبانہ وضابطانہ ومحصلانہ ومہرانہ وبیکانہ ودستکانہ ودہ نیمے مقدمی وجلاوے قانون گوئی وضبط رسلانہ بعد از تشخیص چک وتکرار زراعت وکل تکالیف دیوانی ومطالبات سلطانی مزاحمت نرسانند ودرین باب ہر سال سند مجدد نہ طلبند واگر در محلے دیگر چیزے داشتہ باشد اعتبار نہ کنند۔ بتاریخ دوازدہم شہر ربیع الاول سنہ ۱۴ جلوس۔ اس عبارت کے نیچے یہ مہر بھی ہے۔

دیکھو صفحہ ۴۷

---

[1] بخط عربی شنجرف [2] بخط طغرا برنگ سرخ [3] زوجہ حضرت سید جان محمد حضوری کا نام ہے



اصل مالک و وارث اس مکان اور مزار کی حضرت کی اولاد اور خادم اس درگاہ کی الٰہی بخش جاروب کش کی اولاد ہے

گھوڑے شاہ

ان کا اصلی نام محمد حفیظ المشہور بھولن شاہ ہے۔ مقبرہ آپ کا بخشی بھگت رام کے باغ سے بجانب شرق اور راجہ دینا ناتھ کے باغ سے بجانب غرب و مائل بجنوب واقع ہے مقبرہ شالامار باغ کے قدیمی رستے میں شہر سے جاتے ہوئے دائیں طرف پڑتا ہے آپ نے ایک سو تین سال کی عمر میں ۱۶۔ ماہ رجب سنہ ۱۱۴۶ ہجری کو جان جان آفرین کو سپرد کی اسی تاریخ کو حضرت کا عرس بھی ہوتا ہے۔ جس میں فقرا کا بھنڈارہ اور قوالیوں کی بھی کثرت ہوتی ہے گھوڑے شاہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ آپ کو گھوڑوں کے ساتھ بہت رغبت تھی جب کسی کو کوئی فرمایش کرتے تھے تو گھوڑا ہی مانگتے تھے ایک دفعہ ایک مرید لکڑی کا گھوڑا بنا کر حضرت کی نذر کو لایا آپ نے حالت وجد میں آکر اسپر سواری کی اور جلال میں آکر کہا کہ اے گھوڑے دوڑ! بقدرت الٰہی سے وہ گھوڑا دوڑ کر دور تک چلا گیا اسی دن سے نام آپ کا گھوڑے شاہ مشہور ہو گیا آپ اکثر شہر میں پھرا کرتے تھے اسی اثنا میں لاہور کی ایک طوائف بنام سودان آپ کی مرید ہوئی اس زمانہ میں یہ نواح جہاں اب مزار ہے اسی طوائف کے نام پر چوہٹہ سودان مشہور تھا اسی طوائف نے آپ کا مقبرہ بمعہ مسجد جو اب بنام مسجد گھوڑے شاہ مشہور ہے

بنوا دیا تھا حضرت کے مقبرہ کے چبوترہ کے دروازہ کے باہر بہ طرف شرق تین قبریں آپ کے مریدوں کی ہیں۔

پیر مکی

ٹکسالی اور بھاٹی دروازہ کے باہر اور گوروں کے قبرستان کے عقب میں مزار حضرت پیر مکی صاحب واقع ہے آپ کے مفصل حالات کہیں سے دستیاب نہیں ہو سکے مگر آپ کا مزار لاہور میں بہت مشہور ہے۔ کوئی آپ کو حضرت داتا گنج بخش کا اوستاد کہتا ہے کسی کا خیال ہے کہ آپ محمود غزنوی کے ساتھ لاہور میں داخل ہوئے تھے۔ کوئی کہتا ہے کہ جب زیب النسا (دختر شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر) کا باغ بننے لگا تھا تو یہاں بھی ایک دیوار بنانا چاہتے تھے مگر وہ کھڑی نہ ہو سکتی تھی آخر انہوں نے یہ سوچ کر کہ یہ جگہ کسی فقیر کی ہو گی یہاں قبر بنا دی کتاب تذکرۃ الفقرا میں کوئی حضرت سعد الدین مکی ہیں اونکی بابت یہ لکھا ہوا ہے کہ وہ مکہ معظمہ سے مزار حضرت داتا گنج بخش کی زیارت کے لئے لاہور میں آئے تھے اور چند سال معتکف رہکر یہاں ہی انتقال فرما گئے وہ زمانہ شاہ جہاں کی بادشاہی کا تھا جس کے حکم سے آپ کا مقبرہ تعمیر کیا گیا۔ ممکن ہے کہ حضرت پیر مکی اور حضرت سعد الدین مکی ایک ہوں۔ تاریخ وفات حضرت مکی صاحب کی ۱۰۸۴ھ ہجری ۱۲ ربیع الثانی بیان کی جاتی ہے اسی تاریخ کو حضرت کا عرس بھی ہوتا ہے جس میں بھنڈارہ کے علاوہ قوالی اور ناچ مجرا بھی ہوتا ہے حضرت شاہ جمال کی طرح یہاں بھی رات کو نہیں رہتے کیونکہ رات کو یہاں سیاہ رنگ کے اژدہا (سانپ) چاروں طرف سے دکھائی دیتے ہیں میرے ایک معتبر دوست کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں کسی مقدمہ میں پھنس گیا تھا کامیابی کی صورت بظاہر محال تھی آخر میں نے خودکشی کرنے یا کسی طرف کو نکل جانے کا مصمم ارادہ کر لیا اسی اثنا میں میں نے سوچا کہ حضرت مکی صاحب کے مزار پر آج رات کو وظیفہ کرونگا بہتر ہو کہ وہاں ہی اژدہا میرا دم نکال لے تاکہ فقیر کے قدموں کے نیچے جان تو نکل جائے۔ ص

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے
یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے (ذوق)

میں شام کو ہی حضرت کی خانقاہ کے پاس جا بیٹھا اور ورد و وظائف میں مشغول ہو گیا جب آدھی رات کا وقت ہوا تو میں نے دیکھا کہ ایک سیاہ رنگ کا سانپ حضرت کے مزار کا اعتکاف کرتا ہوا میرے پاس سے گذر رہا ہے یہاں تک کہ وہ عرصہ تک اسی طرح معتکف رہا میرے پاؤں کے پاس سے ہو کر چلا جاتا تھا مگر مجھے کچھ نہیں کہتا تھا دوسرے دن میری پیشی تھی جب صبح ہوئی اور میں اپنے وقت پر عدالت میں حاضر ہوا تو خدا نے مقدمہ میرے حق میں فیصل کر دیا۔

میران بادشاہ

آپ کا اصل نام سید ابو اسحاق ہے باشندگان لاہور حضرت کے مزار پُر انوار کا بہت ادب کرتے ہیں کرامات و خوارق عادات بھی حضرت کے بہت مشہور ہیں مگر حال انکا کسی کو معلوم نہیں اگر مفتی غلام سرور تحفتہ الواصلین میں یہ چند سطور بھی نہ درج کرتے تو ان مختصر سے اور برائے نام حالات سے بے خبر رہنے میں بھی کچھ شک نہ تھا تحفتہ الواصلین میں مفتی صاحب ارقام فرماتے ہیں۔ کہ وطن اصلی انکا ملک ایران اور بیعت ان کو حضرت عبد المغیث کازرونی جنیدی سے تھی بعد عطائے خرقہ خلافت آپ کو روانگی لاہور کا حکم ہوا جب آپ ایک عرصہ کی مسافت کے بعد یہاں وارد ہوئے تو لاہور کے محلہ رڑہ میں سکونت اختیار کی آپ کے فیضان ظاہری و باطنی سے اکثر لوگ مستفیض ہونے لگے آپ کی وفات ۷۸۶ھ ہجری میں ہوئی جس کا مادہ تاریخ مفتی صاحب نے بسم اللہ الرحمن الرحیم سے نکالا ہے آپ کی وصیت کے مطابق مزار آپ کا پختہ بنایا گیا کچھ مدت کے بعد مزار پُر انوار پر ایک ایسا بلیچہ نمودار ہوا کہ تمام مزار پر وہ سائبان کا کام دینے لگا۔

عریاں کیا ہے دست جنوں نے اگر مجھے
تو ڈھانک تجھکو دامن کہسار کیا ہوا

اس بیل کے پتوں میں سے یہاں تک فیضان عام جاری ہوا کہ جس مریض نے اس کا پتہ کھایا اسی کو آرام ہوگیا اسی بیل اور کرامت کے سبب سے ایک عرصہ تک حضرت کا نام سبز پیر مشہور رہا۔ لودیوں کے زمانہ میں ایک امیر الامرا مسمی نادر خاں نے حضرت کے مزار کے متصل اپنی حویلی تعمیر کرائی۔ اور اس مزار کو بھی اپنے مکان میں لے لیا کچھ عرصہ کے بعد ہوا کے نہ لگنے اور سایہ میں رہنے کے باعث وہ بیل خشک ہوگئی جب شاہ جہاں غازی کے زمانہ میں نواب وزیر خاں نے اپنی عالیشان مسجد کی بنیاد ڈالی تو اس حویلی کو بھی زر خرید کرکے داخل مسجد کرلیا اور حضرت کا مزار زمین دوز تعمیر کرایا جو اب تک بدستور موجود ہے۔

چھجو بھگت

آپ قوم کے بھاٹیہ اور ساکن لاہور تھے۔ صرافی کی دوکان کیا کرتے تھے ہر چند صاحب دل اور فقیر دوست تھے مگر ان کی فقیری بلکہ ان کی بزرگی کے حال سے کسی کو خبر نہ تھی اور آپ خود بھی کسی پر ظاہر کرنا مناسب نہ سمجھتے تھے۔ اُن کی فقیری کے ظہور کی وجہ یہ مشہور کی جاتی ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص اشرفیوں کی تھیلی لیکر آپ کی دوکان پر آیا اور کہا کہ اُن اشرفیوں کو بمصداق ؎

بازار مصر میں چل یوسف کا سامنا کر
کھوٹے کھرے کا سودا کھل جائیگا چلن میں

ذرا پرکھ دو۔ اس شخص کی عورت نے جب اپنے خاوند کو اشرفیاں دیں تھیں تو اس میں سے ایک اشرفی [illegible] بچاکر اڑالی تھی غرض چھجو بھگت صاحب نے سب اشرفیاں دیکھ کر کہا کھری ہیں لے جاؤ وہ شخص چلا گیا جب کسی اور دوکان پر جاکر خرید و فروخت کرنے لگا تو ایک اشرفی کا فرق معلوم ہوا۔ فوراً غضب ناک ہوکر چھجو بھگت کی دوکان پر آیا۔ اور چوری اور بے ایمانی کا ان کو الزام لگایا

وہ اپنی بے قصوری ظاہر کرتے رہے اس شخص مغل نے طیش میں آکر ایک چابک بھی مار دیا۔ اتنے میں اور بہت سے لوگ جمع ہو گئے اور اُس ظالم ناخدا ترس سے ان کو بچایا جب وہ اپنے گھر گیا۔ تو اوس نے دیکھا کہ اوس کی عورت کے بدن پر غیب سے چابک پڑ رہے ہیں۔ اور وہ چیخ رہی ہے۔ عورت اور خاوند دونوں حیران ہوئے کہ الٰہی ماجرا کیا ہے۔ اوس مغل کے دل میں فوراً خیال گذرا۔ کہ آج میں نے چھجو بھگت کو ایک چابک مارا ہے۔ کہیں اُس کا نتیجہ یہ عذاب نزل رہا ہو۔ آخر اُس نے اپنی عورت سے کہا کہ میں نے اشرفی کے چورائے جانیکے شبہ میں چھجو بھگت کو ایک چابک مارا تھا عورت نے کہا کہ اُس اشرفی کی چوری مجھ کم بخت کی قسمت میں لکھی تھی وہ بالکل بے قصور تھا چلو اوس صاحب کمال کے پاس عفو تقصیر کے لئے چلیں۔ دونوں میاں بیوی بھگت جی کے پاس گئے اور نہایت منت وزاری کی آخر انہوں نے تقصیر معاف کی۔ اس واقعہ کے بعد آپ صاحب کمال مشہور ہو گئے۔ ایک روایت اس طرح مشہور ہے کہ ایک مفلس عورت کی لڑکی دردزہ میں بہت سخت مبتلا تھی گھر میں ایک کھوٹے روپے کے سوا باقی اللہ کا نام تھا وہ بیچاری مصیبت کی ماری کھوٹا روپیہ لے کر بازار میں آئی۔ بازار میں کسی نے بھی وہ روپیہ نہ لیا بلکہ الٹی سلواتیں سناتے تھے۔ یہاں تک کہ بھگت جی کی دوکان پر پہنچی انہوں نے اُس کھوٹے روپیہ کے پورے سولہ آنے گن کر دیدیئے بھگت جی کے پاس جو لوگ بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے سرزنش کی آپنے یہ کھوٹا روپیہ کیوں لے لیا آپ نے فرمایا کہ میں نے کھوٹے کی طرف تو کوئی خیال نہیں کیا مجھے اس کی بیٹی پر رحم آیا ہے جو دردزہ میں گرفتار ہے وہ لوگ اُس عورت کے گھر گئے اور یہ معلوم کرنے پر کہ واقعی اس کی لڑکی اسی درد میں سخت مبتلا ہے بھگت جی کی کرامت کے معتقد ہو گئے۔ ایک دفعہ آپ کی بھاوجہ نے کہا کہ مجھے گنگا کا اشنان کرادو آپنے بزور کرامت اسکو کہا کہ آنکھیں بند کر او میرے کندھوں پر ہاتھ رکھ جب ایک ساعت کے بعد اُس نے بحکم بھگت جی آنکھیں کھولیں تو اپنے آپ کو لب گنگا پر دیکھ کر نہایت خوش ہوئی گئی اپنے ہم وطنوں سے ملی بہت سی چیزیں تحفہ کے طور پہ خریدیں

بلکہ بعض اشیاء اپنے ہم وطنوں کو دیدیں کہ تم آتے ہوئے لے آنا۔ یہ سب کچھ ہو چکا تو آپ نے پھر اوسی طرح آنکھیں بند کرائیں اور معہ بھا وجہ لاہور پہنچ گئے غرض کئی کرامات آپ سے مشہور ہیں جن کو ہندو اور مسلمان یکساں طور پر تسلیم کرتے ہیں جہاں اب آپ کا چوبارہ بنام چوبارہ چھجو بھگت واقعہ ہے یہیں آپ رہا کرتے تھے اُن دنوں اس محلہ کا نام طلا بخاری کا محلہ مشہور تھا۔ آپ تمام عمر مجرد رہے جہاں اب آپ کی سمادہ واقعہ ہے یہاں ایک چوبارہ نشست گاہ کی غرض سے تھا ایک دن حسب معمول اس چوبارہ میں گئے اور خلاف معمول دروازہ بند کر لیا لوگوں نے انتظار کے بعد دروازہ کھولا تو وہاں کچھ بھی نہ تھا آپ بہت بڑے صلح کل اور بے تعصب فقیر مشہور ہیں حضرت میاں میر اور کاہنا بھگت اور آپ میں بہت بڑی محبت تھی آپ کی سمادہ پر دوشنبہ کے دن مرد اور منگل کے دن عورتیں (کھتر انیاں) زیارت کیلئے جاتی ہیں۔ شام تک تمام لوگ وہاں ہی رہتے ہیں سرود و سماع بھی ہوتا ہے اور قوالی کی مجلس بھی اپنا رنگ جماتی ہے۔ عمارت پہلے بہت چھوٹی تھی مگر مہاراجہ رنجیت سنگھ نے از سر نو اس کو نہایت عالیشان کر دیا۔ اسی عالیشان عمارت میں جہاں مندر چھجو بھگت ہے وہاں ہی آپ کی دوکان بھی ہوا کرتی تھی چوبارہ کیا ہے ایک اچھا خاصہ گاؤں آباد ہے آپ کی وفات سمت ۱۶۹۶ مطابق ۱۰۵۲ ہجری بیان کی جاتی ہے تحقیقات چشتی میں یہ قطعہ تاریخ آپ کی وفات کا دیکھا گیا ہے

بھگت چھجو مرد یکتائے زمان — آنکہ در عالم دو چشم از غیر بست

سال ترحیلش چو جستم از خرد — گفت واحد مرد حق واحد پرست

گورو سری چند

(بابا نانک صاحب (سکھوں کے پہلے بادشاہ) مرد کامل اور فقیر صلح کل گذرے

ف۱ چوبارہ چھجو بھگت شاہ عالمی دروازہ کے جنوب رویہ متصل سرائے لالہ رتن چند داڑھی والا واقعہ ہے

ہیں ان کے دو بیٹے تھے لکھی داس اور سری چند گورو سری چند کی بابت سکھوں کی
بانیوں میں مرقوم ہے کہ جب بہ ایمائے قاضی لاہور سکھوں کی چھٹی بادشاہی گورو ہر گوبند
صاحب کو شہنشاہ عالمگیر اورنگزیب نے گرفتار کرکے امرت سر سے لاہور میں بلوایا
تو کہا کہ جب آپکو دعوئی فقیری ہے اور ایک گروہ آپ کی کرامات کا قائل ہی
ہے تو ہم کو بھی کوئی کرامات دکھاؤ ورنہ تمہارا پوست بدن سے اکھڑوا دیا جائیگا
گورو ہر گوبند نے کہا کہ کرامات تو گورو سری چند خلف بابا نانک صاحب دکھائیں
گے ہم تو اُن کے نام لیوا ہیں اورنگزیب نے گورو سری چند کی طلبی کیلئے موضع
باٹھ ضلع گورداسپور میں جہاں وہ مقیم تھے گھوڑے ہاتھی اور پینس بھیجے مرقوم ہے
کہ گورو صاحب کو بعلم باطنی بادشاہ کے ارادے سے آگاہی ہوگئی اور آپ بادشاہی
سواروں کے پہونچنے سے پہلے ہی روانہ ہو گئے لاہور سے دس کوس کے فاصلہ پر
شاہی آدمیوں سے آپ کی ملاقات ہوگئی انہوں نے بادشاہ کا حکم سناکر سواری کے
لئے ہاتھی پیش کیا مگر آپ نے انکار کرکے پاپیادہ روانہ ہوئے جب آپ لاہور
پہونچے تو قاضی نے بادشاہ کے حکم سے ایک دہرم سالہ میں ٹھہرایا جہاں ایک کنواں
بھی نمکین پانی والا تھا قاضی صاحب نے ازراہ کینہ اس چاہ پر ایک قالین اس
طریقہ اور غرض سے بچھوایا کہ گورو سری چند کو معلوم نہ ہوا اور جب وہ بیٹھیں تو گر
پڑیں جب گورو سری چند وہاں پہونچے تو کنوئیں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اب تیرا
پانی نہایت میٹھا ہو جائے گا۔ لوگ تیری تعظیم کیا کریں گے یہ کہکر آپ قالین
پر بیٹھ گئے قدرت الہی سے قالین کو جنبش تک بھی نہ ہوئی جب اس طرح بھی ناکامیابی
ہوئی تو قاضی صاحب نے ایک بکرا بھیجکر گورو صاحب کو کھانے کے لئے مجبور کیا
قاضی صاحب کا زور تھا انہوں نے مان لیا مگر محلہ داروں اور اپنے سکھوں کو
تاکید کردی کہ بکرے کی ایک ٹانگ ہدیتہً قاضی صاحب کے گھر ہماری طرف سے
بھیجدینا اور گوشت کی ہڈیاں ضایع نہ کرنا اس واقعہ کے بعد قاضی صاحب نے
آکر کہا کہ بادشاہ اس بکرے کی طلبی کر رہے ہیں وہ بکرا آپ واپس کر دیں
کوئی اور بکرا آپکو بھیجدیا جائیگا ادہر بادشاہ کو یہ پٹی پڑھائی کہ سری چند نے
شاہی بکرے کو زبردستی پکڑ کر کھالیا ہے گورو صاحب نے بھائی کملیہ کو حکم دیا کہ

بزغالہ مذبوحہ کی تمام ہڈیاں اکٹھا کر کے اس چاہ پر اون کو لے آؤ اور اون تمام ہڈیوں پر اس کنوئیں کا پانی چھڑک دو۔ بھائی کمیلہ نے ایسا ہی کیا۔ قدرت خدا سے وہ بکرا زندہ ہو گیا مگر ایک ٹانگ ندارد تھی بادشاہ نے کہا کہ اسکی ایک ٹانگ کہاں گئی آپ نے فرمایا وہ قاضی صاحب کھا گئے غرض بادشاہ نے قاضی کو منع کیا کہ یہ آدمی خدا رسیدہ ہے ان کو تنگ نہ کرو مگر قاضی صاحب کب ٹلنے والی آسامی تھے۔ کئی کئی ذریعوں سے اُن کو تکلیف پہنچائی۔ آ۔ ہار کر اون کو زہر دلوا دیا گورو صاحب نے شدت تکلیف سے گھبرا کر کہا کہ الہی اس سلطنت کو بُرباد کر۔!

سکھوں کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جب بادشاہ کو یہ خبر ہوئی تو وہ بمعہ شاہزادوں کے حاضر ہوا اور نہ صرف معافیات کے طور پر پانسو بیگہ زمین ڈیرہ بابا نانک میں اور پانسو بیگہ موضع لچھویں عنایت کی بلکہ گورو ہرگوبند صاحب کو جو گرفتار رکھے) رہا کر دیا۔ گورو سری چند پشاور۔ کابل اور کوہستان چینہ کا سفر کر کے پھر لاہور واپس آئے۔ گورو سری چند کے نام سے ایک مقام بنام ہٹلی صاحب مشہور ہے جس کی وجہ تسمیہ یہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن بوقت اشنان گورو سری چند نے درخت شیشم (ٹاہلی) سے ایک شاخ کاٹ کر داتن (مسواک) بنائی اور بعد استعمال اُس کو زمین میں گاڑ دیا تھوڑے دنوں کے بعد وہ داتن ایک بہت بڑا درخت ہو گیا جسے حکام ریلوے نے بوجہ ضرورت اسکو کاٹ ڈالا مگر اب پھر وہ درخت پھوٹ نکلا ہے گورو صاحب تمام عمر مجرد رہے عمر ان کی ایک سو پچاس برس کی تھی۔ آپ کی نسبت یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ زندہ ہی زمین میں سما گئے آپ کے چیلوں میں سے نرائید اس اور بھائی کمیلہ نے سمادہ کا نشان بنایا جس مکان میں آپ بحکم اورنگزیب ٹھہرے تھے وہ زوال سلطنت مغلیہ تک سالم اسی صورت میں کھڑا تھا۔ مگر عرصہ قریباً اسی سال کا ہوا کہ بعہد مہاراجہ رنجیت سنگھ باوا جمنا داس نے یہ مکان ازسرنو تعمیر کیا اور عمارت کو وسعت دیکر اور مکان بھی بنوائے۔

—— : ——

حضرت ایشاں[1]

عوام الناس میں مشہور ہے کہ حضرت ایشاں عورت کا نام ہے اور بعض تعلیم یافتہ مگر ناواقف لوگ تو یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ یہ کیسے بیہودہ لوگ ہیں جو "عائشہ" کو ایشان کہتے ہیں اور اس نام کا کچھ بھی ادب نہیں کرتے مگر یہ ناواقف لوگ اگر ذرا بھی توجہ اور غور سے کام لیں تو ان کو معلوم ہو جائیگا کہ ایشاں یعنی آن شان فارسی زبان کا لفظ ہے جس کے لفظی معنے وہ شان اور عوام کے نزدیک بڑی شان و عزت والا کے ہیں اور اسی مطلب و معنی کا دوسرا لفظ آں حضرت بھی ہے۔ جسطرح سرور دوجہاں رسول خدا صلعم کے مبارک نام کو اکثر جگہ آنحضرت سے خطاب یعنی زینت دی جاتی ہے۔ اسی طرح ان کو بھی اُن کے مرید اور معتقد ادب اور عزت کے لحاظ سے "حضرت ایشاں" کے نام سے پکارنے لگے آپ کا اصلی نام "حضرت خاوند محمود" تھا بخارا میں پیدا ہوئے وہاں ہی پرورش پائی وہاں کے مدرسہ سلطانی میں تعلیم علوم ظاہری حاصل کر کے بارہ برس کی عمر میں حافظ قرآن ہو گئے طبیعت ابتدا ہی سے سیر و سیاحت کی طرف راغب تھی چھوٹی عمر میں ہی سمرقند کا سفر کیا۔ شاہ زماں مرزا حاکم سمرقند بڑی عقیدت مندی سے پیش آیا۔ جب وہاں ہزاروں باشندوں کے علاوہ خود شہر کا حاکم بھی مرید ہو گیا اور طبیعت بھی سمرقند کے گلی کوچوں اور سب باتوں سے سیر ہو گئی تو کابل کا ارادہ کیا۔ کابل میں جب آپ کی تشریف آوری کی اطلاع بادشاہ کو ملی تو وہ شہر سے دو فرسنگ تک استقبال کے لئے آیا بادشاہ اور ہزارہا عقیدتمندوں کے اصرار سے ایک جمعہ کو جامع مسجد میں وعظ کیا اللہ اللہ شیریں بیانی اور قیامت کی خوش الحانی سے لحن داؤدی مات ہو رہی تھی۔ انسان تو انسان در و دیوار تک ایک سکتہ کے عالم میں تھے جب زبان کی تاثیر نے حاضرین مجلس پر اپنے جذبہ کا سکہ جمایا تو "ہائے ہو حق" اور "حق اللہ" کی صدائیں آسمان کی خبر لانے لگیں اسی مجلس میں دو آدمی

---

[1] مفصل حالات کے لئے دیکھو! تواریخ شالامار باغ لاہور مصنفہ راقم

شور و جذب کے باعث واصل بحق ہو گئے بادشاہ کو بھی وجد آ رہا تھا آنکھوں سے آنسو جاری تھے دل بے اختیار ہو رہا تھا اور اسی جوش و بیخودی کے عالم میں بڑے زور سے حق اللہ کے نعرے مارتا تھا بادشاہ نے حضرت کی بیعت کی اور دلی ارادتمندی سے عرض کیا یا حضرت میں دنیا سے دست بردار ہوتا ہوں بادشاہی کی اب کچھ خواہش نہیں رہی اب تو دل کی یہی تمنا ہے کہ جناب کی خدمت میں حاضر رہا کروں ؏

تمنا ہے کہ رکھ دے پاؤں سینہ پر دم رحلت
ہماری جان مضطر بھی تیرے زیر قدم نکلے (فوق)

آپ نے فرمایا فقیر وہ ہے جو دل سے فقیر ہو نہ کہ گودڑی پہنکر ظاہر آرائی سے فقیر بنے خداوند کریم نے اپنی کمال عنایت سے تمہیں اپنی مخلوق کے ایک حصہ کا پاسبان و محافظ مقرر کیا ہے تمہیں اپنی رعایا کی خبرگیری اور دل جوئی فرض ہے۔ صرف فقیر بننے سے اس "دنیادار فقیر" کا بہت بڑا مرتبہ ہے جو دنیا کے کاموں میں مصروف رہے اور عبادت معبود کو بھی ہاتھ سے جانے نہ دے۔

جب کشمیر میں شیعہ اور سنیوں کے درمیان سخت جنگ وقوع میں آیا تو بحکم شہنشاہ جہانگیر حضرت ایشان کشمیر سے اکبر آباد میں طلب کئے گئے۔ جہاں اُن کی کمال عزت و حرمت ہوئی اور معقول روزینہ مقرر کیا گیا جہانگیر حضرت ایشان کی ہمراہی کو ہمیشہ باعث فخر سمجھا کرتے تھے چنانچہ جب بادشاہ سلامت کشمیر کی سیر کو تشریف لے گئے تو حضرت ایشان بھی اون کے ہمراہ تھے جب بادشاہی لشکر راہپور راجوری کے متصل پانی کی کمیابی اور پیاس کی شدت سے نہایت تنگ ہوا اور دھوپ کی گرمی کو بادشاہ نے محسوس کیا تو حضرت سے التجا کی کہ پیاس کے مارے لشکر کا بہت بُرا حال ہے پانی ابھی دور ہے میں خود بھی بہت بے چین ہو رہا ہوں آپ بدرگاہ قاضی الحاجات دعائے باران رحمت کریں آپ نے دونوں ہاتھ اٹھاکر دعا کی ہنوز خاتمہ دعا کی نوبت نہیں پہنچی تھی کہ شمال کی جانب سے ایک ابر سیاہ نمودار ہوکر آن کی آن میں تمام آسمان پر پھیل گیا اور بارش شروع ہوگئی۔

جب کچھ دنوں کے بعد جہانگیر نے وفات پائی تو حضرت بھی لاش کے ہمراہ لاہور تشریف

لائے۔ اور یہیں رہنے لگے۔ جب شہزادہ خرم تخت نشین ہو کر شاہجہان کے نام سے ملقب ہوا اور لاہور کی سیر کو آیا تو نواب آصف جاہ کی معرفت بطور نذر ایک لاکھ سرخ ٹکہ حضرت کی خدمت میں بھیجا۔ جس کو حضرت نے بادشاہ اور نواب کے اصرار سے قبول کر کے کچھہ تو لاہور ہی میں اپنی خانقاہ پر صرف کیا (جسکو انہوں نے اپنی زندگی ہی میں بنوالیا تھا) کچھہ کشمیر کی مسجد اور خانقاہ کی مرمت وغیرہ کے لئے بھیجدیا۔ اور باقی ماندہ محتاجین اور مستحقین کو تقسیم کر دیا جب شاہجہان بادشاہ لاہور سے واپس ہوئے تو حضرت کو بھی بادشاہ کے حکم سے اُن کے ہمراہ دہلی جانا پڑا۔ جہاں بادشاہ بیگم یعنی ملکہ زمانی حضرت کی مُرید ہوئی۔ اور اکثر علمائے دہلی بوسیلہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی حضرت کی خدمت میں باریاب ہو کر علوم ظاہری و باطنی سے فیضیاب ہوئے۔ نواب وزیر خان کو (جس کی سب سے بڑی اور نامور یادگار لاہور کی مسجد وزیر خاں ہے) صرف حضرت کی دعا اور برکت سے ہی جلیل القدر مرتبہ نصیب ہوا تھا۔

جب لاہور میں تشریف لائے تو نواب وزیر خاں جو اُنھیں کے طفیل سے لاہور کا صوبیدار ہوا تھا۔ کمال عقیدت مندی سے پیش آیا۔ اسی زمانہ میں حضرت کا باغ اور مقبرہ بھی بیگم پورہ کے متصل (جہاں اب حضرت کا روضہ ہے) تعمیر ہو رہا تھا اسلئے اُنہوں نے اپنی سکونت بھی اپنے باغ اور مقبرہ ہی میں رکھی اور اسی مقام پر دوازدہم ماہ شعبان المعظم ۱۰۵۲ھ ہجری میں ملک بقا کی طرف کوچ کیا۔ حضرت احکام شرع کے نہایت پابند تھے۔ اور اکثر اوقات مسئلہ وحدت وجودی کے متعلق حضرت میاں میر بالا پیر لاہوری کے ساتھ بذر تحریر بحث مباحثہ کیا کرتے تھے۔ ہر جمعہ کو حضرت اپنی خانقاہ کی مسجد میں وعظ فرماتے۔ ہزاروں لوگ مستفید ہوتے اور بیسیوں غیر مذہب والے مشرف باسلام ہو کر مُرید ہوتے۔

❁

حضرت لال حسین

پیدائش کی خاص تاریخ اور مہینہ تو کسی تاریخ سے نہیں مل سکا۔ البتہ مختلف تذکروں کے دیکھنے سے اسی قدر ضرور معلوم ہوا ہے کہ آپ کی ولادت شہنشاہ ہمایوں کے بعد ۹۴۵؁ھ ہجری میں خاص مخزن الفقرا شہر لاہور میں ہوئی تھی۔ جس کو اب پونے تین سو سال سے کچھ زیادہ عرصہ ہو چکا ہے۔ آپ شیخ نومسلم تھے۔ جیسا کہ کتاب حقیقت الفقرا میں حضرت مادھو کے خاص مقبول خادم شیخ پیر محمدؒ نے (جن کا دوسرا نام (تاریخی) شیخ محمود ہے) لکھا ہے۔ چونکہ شیخ پیر محمد انہیں کے زمانہ میں اور انہیں کے مریدوں میں تھے۔ اس لیے حقیقت الفقرا میں جو کچھ وہ لکھ گئے ہیں اُن کو حالات صادقہ کہنا چاہیئے۔ آپ فرماتے ہیں کہ حضرت کا نام پہلے عام طور پر ڈھڈا حسین مشہور تھا۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ آپ ننھیال کی طرف سے راجپوتوں کی ایک ذات ڈھڈا کے خاندان سے تھے۔ باپ کی جانب سے آپ کلسرائی تھے۔ کلسرائی کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ آپ کے بزرگوں میں جو شخص سب سے پہلے مسلمان ہوا تھا اُس کا نام کلسرائی تھا۔ مسلمان ہو کر وہ اپنے زمانہ کا شیخ الاسلام کہلایا۔ اور اُس کی تمام اولاد کلسرائی کے نام سے مشہور ہوئی۔ آپکے والد کا نام شیخ عثمان تھا۔ جنہوں نے محتاجی و تنگدستی کے باعث بافندگی کا پیشہ سیکھ کر ظالم پیٹ کی پرورش کی۔ شیخ پیر محمد صاحب نے حضرت لال حسین کا سن ولادت مندرجہ ذیل قطعہ میں منظوم کیا ہے۔ ؎

چوں وجود مبارکش بجہاں — آمد از پردۂ عدم بہ عیاں
بود آں سال در شمار عدد — چہل و پنج زیادہ بر نہ صد (۹۴۵)

خوش نصیب باپ نے سعادتمند اور خدا دوست بیٹے کا نام "حسین" رکھا۔ مگر حسین چونکہ بچپن ہی میں گیروے اور سُرخ رنگ کے کپڑے پہنا کرتے تھے۔ اس لیے "لال حسین" کے نام سے مشہور ہو گئے۔ جب مادھو کے ساتھ اُن کی محبت کمال درجہ تک پہنچ گئی اور جب دونوں عاشق معشوق یا پیر و مُرید ایک ہی گورستان میں پہلو بہ پہلو دفن کئے گئے تو حضرت "مادھو لال حسین" کے نام سے مشہور ہو گئے۔ اب یہ غلط فہمی یہاں تک بڑھ گئی

ہے کہ اکثر لوگ مادھولال حسین کو ایک ہی نام تصور کرتے ہیں۔ اور اصلی حقیقت اور کیفیت سے بالکل بے خبر ہیں۔

حضرت حسین جب تک کہ فنا فی اللہ اور عبودیت کو چھوڑ کر ربوبیت کو اختیار نہیں کر چکے تھے۔ نماز و روزے کے سخت پابند تھے۔ وہ ہر رات بلاناغہ قرآن شریف پڑھا کرتے تھے۔ ایک وقت کی نماز تو کجا اُنھوں نے کبھی تہجد اور اشراق تک قضا نہیں ہونے دی تھی۔ ہر رات قرآن شریف پڑھنے کے علاوہ وہ داتا گنج بخش کے روضہ مبارک پر ہر صبح سے دوپہر تک قرآن شریف ختم کیا کرتے تھے۔ نماز عصر کے بعد جبتک کہ نماز مغرب اور نماز عشا کا وقت نہ آجاتا وہ ورد و وظائف میں مشغول رہا کرتے۔ کبھی کبھی مسجدوں اور مکتبوں میں بھی جاکر مستفیض ہوا کرتے تھے۔ شیخ سعد السہا نامی ایک معلم سے علم تفاسیر پڑھا کرتے تھے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ تفسیر مدارک کے سبق میں ایک آیت توحید اس مضمون کی آئی کہ دنیا کی زندگی بے اعتماد اور لہو و لعب ہے۔ آپ نے اُستاد سے سوال کیا۔ اس حل معنے میں حال درکار ہے۔ نہ قال۔ خدا نے جو دنیائے فانی کی زندگی کو لہو و لعب کہا ہے۔ اس سے کیا مراد ہے۔ اُستاد نے کہا مفسرین کا جو مطلب اس لہو و لعب سے ہے وہ تم نہیں سمجھ سکتے۔ حضرت حسین نے کہا جب علم کے ساتھ حسن عمل عطا نہ ہو تو اس علم سے ناچنا کودنا بہتر ہے۔ خدا نے دنیا کی زندگانی کو جو لہو و لعب کہا ہے۔ اس سے مُراد یہ ہے کہ یہ سب مخلوق اُسکی لہو و لعب ہے۔ پس مجھے لازم ہے کہ لہو و لعب کروں ایسا نہو کہ خدا کے حکم سے انحراف ہو۔ اُستاد تو خاموش رہگیا۔ مگر حضرت حسین اُچھلتے کودتے اور ناچتے ہوئے مدرسہ سے باہر نکل گئے۔

کتاب بہاریہ میں لکھا ہے۔ کہ مدرسہ کے باہر ایک کنواں تھا۔ حضرت حسین نے اُس میں تفسیر مدارک پھینکدی۔ طالب علم اُنکی اس حرکت سے سخت ناراض ہوئے۔ اور اُن کو سخت ملامت کرنے لگے۔ حضرت حسین نے کہا کہ میں اس کتاب سے درگذرا تمہارے مصرف کی ہے تو تم کو نکلوا دیتا ہوں۔ یہ کہتے ہی کنوئیں کے پانی کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔ اے پانی ہمارے یاران جانی ہماری اس حرکت سے خفا ہوئے ہیں۔ کتاب ہماری واپس دیدے۔ خدا کی قدرت سے

کتاب بجنبہ خشک آب نا رسیدہ کنوئیں سے باہر آگئی۔ طالب علم یہ دیکھ کر آئینہ کی طرح حیران رہ گئے۔ اور چند ہی دنوں میں حسین فقیر کامل مشہور ہوگیا۔ ۹۹۱ ہجری میں بعمر چھبیس سال آپ نے طریقہ ملامتیہ اس غرض سے اختیار کیا کہ لوگ ہم سے نفرت کریں اور ہم بفراغت تمام یاد الٰہی میں مشغول رہیں۔ اسی سنہ میں آپ نے ریش مبارک منڈوا ڈالی۔ اور بجائے قرآن شریف۔ علمی تذکروں اور ورد و وظائف کے رات دن شراب کے دور اڑنے لگے۔ اور مکتبوں کی بجائے میخانوں کی رہائش پسند آنے لگی۔ چنگ و رباب سے دل خوش کرتے اور شبانہ روز عیش و طرب میں بسر کر دیتے۔ جب حضرت بہلول کو حضرت حسین کی ان حرکات کی اطلاع ہوئی تو وہ فوراً لاہور تشریف لائے۔ حضرت حسین کو اہلِ بصیرت کی نظروں سے دیکھا اور جب اُن کی چشم تحقیق نے معلوم کیا کہ وہ بحق واصل ہیں۔ تو اُنکی تسلّی ہوگئی۔ اور اُن کو اسی حالت میں چھوڑ کر واپس چلے گئے۔ اس واقعہ کے دو سال بعد حضرت شیخ بہلول ملک جاودانی کی طرف کوچ کر گئے۔

حسّو تیلی ایک بزرگ کامل اور صاحب کشف و کرامت تھے۔ اوائل میں گندم فروشی کا کام کرتے تھے۔ حضرت شاہ جمال کے فیض صحبت سے اپنی عاقبت سنوار لی۔ کچھ عرصہ کے بعد تیل بیچنا شروع کیا۔ اور اُس وقت سے حسّو تیلی کے نام سے مشہور ہوگئے۔ دوکان اُن کی چوک جھنڈا (موری دروازہ) میں تھی۔ حضرت لال حسین ہمیشہ اسی رستہ سے داتا گنج بخش رح کے مزار پر انوار پر جایا کرتے تھے۔ جب حسّو تیلی کی دوکان کے نزدیک پہنچتے تو معمول سے زیادہ شور و غل کرتے اور اُچھلتے کودتے۔ سیر العارفین میں لکھا ہے کہ ایک روز حضرت حسّو تیلی نے حضرت لال حسین کو فرمایا "تمہیں دربار نبوی میں تو دیکھا نہیں یہ شور و غل اور اُچھل کود کس شیخی پر کرتے ہو۔ حضرت لال حسین نے بات تو سن لی مگر اُس کا جواب نہ دیا اور اپنے اسی سرور میں مست چلے گئے۔

بزم نبوی سجی ہوئی ہے۔ عارف باللہ اولیا اللہ اور اصحاب کے درمیان سرور کائنات فخر دوجہان حضرت رسول مقبول رونق افروز ہیں۔ تمام نورانی چہرے شمع تو بالائے طاق شمس و قمر کی روشنی کو ماند کر رہے ہیں۔

معرفت کی باتیں شروع ہیں۔ شیخ سعدی رح رسول مقبول کو چنور کر رہے ہیں۔ اور حضرت شیخ حسّو تیلی اُن کے پاس کھڑے ہیں۔ اسی اثنا میں ایک چھوٹا سا خوبصورت لڑکا حضرت کی گود میں آتا ہے۔ حضرت اُسکو پیار کرتے ہیں۔ پھر وہ لڑکا تمام فقیروں۔ ولیوں۔ اور حضرت کے چار یاروں سے پیار اور دعائیں لیتا ہوا شیخ حسّو تیلی کی گود میں آتا ہے۔ اور بچوں کی عادت کے مطابق اُن کی ڈاڑھی کے چند بال نوچ لیتا ہے۔ مجلس برخاست ہو جاتی ہے۔ لال حسین پھر ایک روز شور و غل مچاتے چوک جھنڈا سے گذرتے ہیں۔ حسّو تیلی پھر اُن کو ملتے ہیں اور کہتے ہیں "تمہیں اپنی فقیری اور ولایت کا دعویٰ بہت کچھ ہے مگر بات جب ہے کہ دربار نبوی میں رسائی حاصل کرو"۔ حضرت حسین نے کہا شیخ صاحب آپ مجھے بلا وجہ ٹوکتے (ہاتھ سے اشارہ کر کے) ذرا ادھر آئیے۔ جب شیخ حسّو تیلی اُن کے پاس آئے تو حضرت حسین نے اُن کو ڈاڑھی کے وہی بال دکھائے شیخ حسّو تیلی نے پہچان کر کہا۔ بیشک تمہیں تھے۔ جو حضرت کی گود میں بیٹھے تھے۔ مگر آخر معصوم بچہ بن کر ہمیں زک پہنچائی۔ بات جب تھی کہ جب اپنی اصلی صورت میں ظاہر ہوتے۔ یہ کہکر حسّو تیلی نے لال حسین کو گلے لگا لیا۔ اور فرط محبت اور جوش میں بآواز بلند حسّو حسین۔ حسین حسّو کے نعرے مارنے لگے۔

حضرت حسین علیہ الرحمۃ بروز جمعہ بتاریخ ذی الحج جمادی الثانی ۱۰۰۸ھ ہجری میں شہنشاہ اکبر کی وفات سے ۷ برس پہلے انتقال فرما گئے۔ وفات کی کیفیت صاحب حقیقت الفقراء نے اس طرح لکھی ہے کہ آپ یاروں کے ہمراہ ایک روز کشتی پر سوار دریائے (راوی) کی سیر کر رہے تھے۔ ایک موقعہ پر ایک ریگستان نظر آیا۔ کشتیبان کو اشارہ کیا اُس نے وہاں اُتار دیا۔ آپ نے تیر و کمان سے دل بہلانے کا ارادہ کیا۔ دو چار تیر چلائے بھی مگر پھر دفعتاً دل میں ایک خیال آ گیا۔ چنانچہ اپنے ہمراہیوں سے مخاطب ہو کر بولے۔ دوستو! جب کوئی دوست حقیقی اپنے دوست کو اپنے پاس بلائے تو کیا کرنا چاہیے۔ مجمع احباب نے جواب دیا کہ اُسے سو کام چھوڑ کر اپنے حقیقی دوست کا کہنا ماننا چاہیے۔ یہ سُنکر آپ نے فرمایا اے بزم احباب (اپنی طرف اشارہ کر کے) یہ شمع انجمن اب بجھنے کو ہے۔ یعنی

ہمیں جناب الٰہی اپنے وصال میں طلب فرماتے ہیں۔ یہ کہکر بقول صاحب حقیقت الفقرا، ؎

بر بہاں ریگ گستر یدردا | بر رد اخفت وداد جاں بخدا
وقت جاں دادن از دلش ناگاہ | نالہ آمد بروں کہ حق آلہ
چوں حق آلہ گفت جاں بسپرد | بادہ وصل الیہ خورد

وفات کے وقت آپ کی ترسیٹھ سال کی عمر تھی۔ جیساکہ سطور ذیل سے معلوم ہوگا۔ دس سال کی عمر میں آپ کو پیر کامل ملا۔ چھبیس سال تک آپ بدرجہ کمال زاہد و عابد رہے۔ ستائیس سال آپ نے رندانہ اور مستانہ زندگی بسر کی۔ اور اُسکے بعد جام عمر لبریز ہوگیا۔ حضرت کی وفات کے بعد سردفتر حلقۂ درویشاں حضرت مادھو سجادہ نشین ہوئے۔

حضرت شیخ مادھو[۱]

حضرت لال حسین اپنی جھونپڑی میں یاران دلنواز کے ساتھ رنگ رلیوں میں مست ہیں۔ ایک خوبصورت لڑکا جس کی پیشانی سے فراست ولیاقت کے آثار ظاہر ہورہے تھے۔ قیمتی لباس پہنے بصد آرائیش و زیبائیش حضرت کی جھونپڑی کے آگے گھوڑا دوڑاتا ہوا نکل گیا۔ آپ نے دوستوں سے اس غارت گر دین وایمان کا نام ونشان پوچھا۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ یاحضرت یہ شاہدرہ کے ایک امیر برہمن کا لڑکا ہے۔ نام اس کا مادھو ہے۔ لال حسین مادھو کی ہوش ربا صورت دیکھکر دل وجان سے فریفتہ ہوگئے۔ اور چند دنوں میں ہی یہ نوبت ہوگئی کہ جب تک اپنے مطلوب کی صورت نہ دیکھ لیتے چین نہ آتا۔ آپ اکثر دفعہ رات کے وقت بھی اُسکے مکان کے اردگرد طواف کیا کرتے۔ مادھو اور اُسکی بیوی رات کو جو کچھ گفتگو کرتے دن کو تمام قصبہ میں اُس کا چرچا ہوجاتا ہے۔ لال حسین مادھو کے

---

[۱] مفصل حالات کے لیے دیکھو تواریخ شالامار باغ لاہور مصنفہ راقم۔

عشق میں دور تک بدنام ہو گئے۔ مگر انہیں اس امر کی کچھ پرواہ نہ تھی۔ باوجود اس قدر اظہار محبّت کے بھی مادھو کے پتھر دل پر کچھ اثر نہ ہوا۔ کچھ عرصہ حسین نے بہت ہی حزن و ملال اور رنج والم میں بسر کیا۔ آخر کار دل را بدل رہیست در گنبد سپہر کیمطابق اس کافر بچہ کے دل میں بھی حضرت کی آتش عشق نے چنگاری پھونکدی۔ جس طرح لال حسین کو مادھو کا درشن کئے بغیر کھانا۔ پینا۔ اور سونا حرام ہو جاتا تھا۔ اب وہی حال بغیر لال حسین کے دیکھنے کے مادھو کو پیش آتا تھا۔ صرف یہی نہیں کہ لال حسین کے دیدار سے ہی دل کو خوش کرتا۔ بلکہ اُس کے ساتھ شراب نوشی میں بھی مشغول ہوا کرتا۔

جب مادھو کے والدین نے اپنے لڑکے کی یہ کیفیت دیکھی تو سخت فکر دامنگیر ہوئی۔ اور وہ حسین سے مادھو رام کا تعلق توڑ دینے کے درپے ہوئے۔ چنانچہ اُنہوں نے ارادہ کیا کہ جب حسین اور مادھو اکٹھے نظر آئیں تو حسین کو شہید کر دیا جائے۔ جب مادھو اور حضرت لال حسین بمعہ یاران مجلس اکٹھے ہوتے۔ اور مادھو کے والدین کو اس امر کی اطلاع ہو جاتی تو وہ گاؤں کا گاؤں وہاں اپنے ہمراہ لیکر حضرت حسین کے قتل اور جنگ وجدل کو آتے۔ مگر خدا کی قدرت کہ جوں جوں وہ حضرت لال حسین کی جھونپڑی کے نزدیک آتے اس کی چار دیواری بلند ہوتی جاتی۔ یہاں تک کہ وہ مجبور ہو کر واپس چلے جاتے۔

حضرت مادھو کو مسلمان تو اُسی وقت سے سمجھنا چاہیئے۔ جب سے اُنہوں نے اپنے پیر و مرشد اور عاشق صادق حضرت لال حسین کا دامن پکڑا۔ مگر دنیا داروں کے خیال اور والدین کے ڈر کے باعث وہ ابھی تک علانیہ مسلمان نہیں ہوا تھا۔ ایک دن حضرت لال حسین نے فرمایا۔ مادھو تیرے لواحقوں کی محبّت والفت چند روزہ ہے اور ہماری تمہاری محبّت نہ صرف دنیا ہی میں رہے گی۔ بلکہ دوسرے جہان میں بھی ہم ایک دوسرے کے طالب و مطلوب ہوں گے۔ اسی معمولی سی بات نے مادھو کے دل پر بہت کچھ اثر کیا۔ اور وہ مسلمان ہونیکے لیے تیار ہو گیا اُسکے والدین کو بھی کسی طرح خبر ہو گئی۔ وہ بہت مضطرب الحال ہوئے۔ کہ ہماری عزت و آبرو کو تو بدنامی کا داغ لگنا تھا۔ لگ چکا۔ اب لڑکا اور اُس کا دھرم

بھی ہاتھ سے جاتا ہے۔ اُنھوں نے دریائے گنگا میں نہانے کا بہانہ کر کے اُس کو ہردوار لیجانا چاہا۔ مادہو نے لال حسین سے عرض کیا کہ یا حضرت میرے والدین گنگا میں نہانے کے لیے چلے ہیں۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں بھی یہ ثواب عظیم حاصل کر لوں۔ لال حسین کو صدمہ فرقت اُٹھانے کی کہاں تاب تھی۔ اجازت نہ دی مگر جب مادہو نے بہت اصرار کیا تو اُنھیں بھی ع سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے کے مطابق منظور کرنا پڑا۔ ہاں اتنا وعدہ کرالیا کہ تمہارے والدین چلے جائیں۔ تم میرے پاس رہو میں تم کو اُسی دن جس دن تمہارے والدین دریائے گنگا میں غسل کر رہے ہونگے وہاں پہنچا دوں گا۔ جب مادہو کے والدین کو یہ حال معلوم ہوا تو وہ بیچارے پھر تشش و پنج میں پڑ گئے۔ مگر آخر دو چار دن کے توقف کے بعد راضی ہو گئے۔ جب مادہو کے والدین ہردوار پہنچے تو فقیر نے اُس سے کہا کہ میرے قدم پر قدم رکھکر آنکھیں بند کر لو۔ زمین پر پیر مار و اور پھر آنکھیں کھولدو۔ مادہو نے اُنکی ہدایات پر عمل کرنے کے بعد جب آنکھیں کھولیں، تو اپنے آپ کو ہردوار کی سرزمین پر دیکھ کر حیران رہگیا۔ حضرت لال حسین کی سب سے پہلی ہی کرامت تھی جس نے ہندوؤں کے دلوں پر خصوصیت سے اثر کیا۔ مادہو تو پہلے ہی حضرت کا معتقد تھا۔ مگر اب اُسکے والدین کے علاوہ ہردوار کے اور بھی بہت سے ہندو حسین کے معتقد ہو گئے۔ ہردوار کی واپسی پر مادہو بصدق دل علانیہ مسلمان ہونیکے تیار ہو گیا۔ جب اپنے طالب صادق سے اُس نے یہ ارادہ ظاہر کیا تو وہ بہت ہی خوش ہوا۔ اپنے ہاتھ سے اُس کو شراب پلائی۔ کفر کی کدورت اُس کے دل سے دور کی۔ اور استغنا توکل اور فقر کا جھاڑو پھیر کر اس کے دل کو دنیا کی الائشوں سے صاف کیا۔ یہ ۱۰۰۸ھ ہجری کا واقعہ ہے۔ جبکہ مادہو کی عمر صرف اٹھارہ سال کی تھی۔

مادھو کو اسکے ہم عمر اور گاؤں کے دوسرے آدمی اپنی کم فہمی اور جاہلیت کے باعث اکثر لعن طعن کیا کرتے تھے۔ اکثر ہندو موقع پاکر مادہو کو مارنے سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے۔ حضرت مادہو تنگ ہوئے اُنھوں نے لال حسین سے شکایت کی۔ اس اثناء میں راجہ مان سنگھ لاہور میں آگیا۔ لال حسین نے سنگ

سنگ جُدائی سینہ پر رکھکر اپنے محبوب کو راجہ کی ملازمت میں شامل کراکر دہلی بھجوا دیا راجہ مان سنگھ کو اتنا تو معلوم تھا کہ حضرت لال حسین کا ایک مُرید میری ملازمت میں ہے۔ مگر وہ اُس کی قدر و منزلت سے محض بیخبر تھا۔ اس لیے مادھو کے حال پر کچھ توجہ نہ کیا کرتا تھا۔ جب راجہ مان سنگھ کو اکبر بادشاہ کے حکم سے مہم دکن پر جانا پڑا تو مادھو بھی اُن کے ساتھ تھے۔ لڑائی اس زور سے شروع ہوئی کہ تیروں اور تلواروں پر نوبت پہنچگئی۔ دشمن کی طاقت زبردست تھی۔ راجہ مان سنگھ کے چھکے چھوٹ گئے۔ اور فوج بھاگنے پر مستعد ہو گئی۔ دونوں فوجیں سورج نکلنے کے ساتھ ہی خون کے دریا بہا رہی تھیں۔ اب شام کا وقت آگیا تھا۔ ظلمت نے چاروں طرف اپنا سکہ بٹھا دیا۔ اور لڑائی کل پر ملتوی کی گئی۔ راجہ دل شکستہ بیٹھا ہوا تھا۔ رنج و غم اور یاس و الم نے گھیرا ہوا تھا۔ کہ فوراً دل میں ایک خیال آیا۔ حکم دیا کہ مادھو کو بلاؤ۔ جب مادھو آیا تو راجہ نے کہا اگر تو فقیر ہے تو اسوقت میری مدد کر کہ میرا بہت بُرا حال ہے۔ مادھو نے خلوت میں بزور باطن اپنے پیر و مرشد کو یاد کیا۔ حضرت لال حسین اسوقت شراب نوشی اور عیش و طرب میں مشغول تھے۔ یکایک سنبھل گئے۔ اور یاران حاضرین سے فرمایا تم یہاں بیٹھو ہم ابھی آتے ہیں۔ حقیقت الفقرا میں لکھا ہے کہ آپ بزور کرامت ملک دکن میں حضرت مادھو کے پاس جا پہنچے اور کہا پیارے کیا حکم ہے اور کس لئے ہم کو یاد کیا ہے۔ حضرت مادھو نے تمام حال عرض کیا۔ لال حسین نے کہا راجہ سے کہدو کہ کل صبح لڑائی شروع کردے اور نظر آسمان کی طرف رکھے مادھو نے راجہ سے اسی طرح کہا اور جب راجہ نے لڑائی کے وقت آسمان کی طرف دیکھا تو اُسے معلوم ہوا کہ بے تعداد فقیر عدو کشی میں مشغول ہیں۔ اور بڑی جرات اور ہمت سے داد مردانگی دے رہے ہیں۔ چند گھنٹوں کی لڑائی کے بعد دشمن شکست کے آثار دیکھکر بے سر و پا بھاگا۔ راجہ نے مادھو کے پاؤں پر اپنا سر رکھا۔ اور کہا مجھے آپ کے صاحب کشف و کرامت ہونیکی خبر نہ تھی میں آج سے آپ کا مُرید ہوں۔ حضرت مادھو نے کہا جب تک تم ہمارے حال سے بیخبر تھے اُسی وقت تک ہمارا یہاں رہنا ہی مناسب تھا۔ اب ہمیں رخصت دو کہ

اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں حاضر ہونیکا افتخار حاصل کریں ۔ پھر اگر وہ اجازت دیں گے تو تمہارے پاس آجائیں گے ۔ چنانچہ راجہ نے با دل ناخواستہ اُن کو رخصت کیا ۔

آخر کار جب حضرت مادھو باغ عالم کی سیر سے سیر ہو گئے اور اپنے پیر و مرشد اور عاشق صادق کی یاد میں ایک ٹیس اور کلیجہ میں درد پیدا کرنے لگی ۔ تو ملک بقا کے سفر کی تیاری شروع کی ۔ چنانچہ تہتر سال کی عمر میں حضرت لال حسین کی وفات سے اٹھتالیس سال بعد ۲۲ ماہ ذی الحجہ ۱۰۵۶ھ ہجری کو بروز دوشنبہ انتقال فرمایا ۔ دوستوں ۔ مریدوں اور معتقدوں نے بقول حضرت داغ ؎

ہو چکا چہلم بھی عاشق کا مگر
حکم ہے برسوں یونہیں ماتم رہے

واقعی کئی سال تک حضرت کی وفات حسرت آیات کا ماتم کیا ۔ آپ ہم پہلوئے مزار حسین دفن کیے گئے ۔

شاہانِ چغتائی میں سے جو بادشاہ لاہور آتا تھا وہ حضرت مادھو لال حسین کا روضہ ضرور دیکھتا تھا ۔ نذریں چڑھاتا تھا ۔ سر تسلیم خم کرتا تھا ۔ اور مجاوروں اور سجادہ نشینوں کی ذات خاص کی بھی بہت کچھ پرورش کرتا تھا ۔ ہند کے گذشتہ بادشاہانِ اسلام کے علاوہ نادر شاہ اور احمد شاہ ابدالی جیسے خونریز اور زبردست بادشاہ اس خانقاہ پر سر نیاز جھکا کر کبر و غرور کی کمر توڑ گئے ہیں ۔ ناظمانِ لاہور بھی دل و جان سے حضرت لال حسین کے مطیع اور معتقد تھے ۔ اور ہمیشہ نذریں وغیرہ چڑھایا کرتے تھے نواب زکریا خاں المعروف نواب خان بہادر تو خصوصیت سے آپ کی خوارق عادت اور کرامات کا قایل تھا ۔ اُس نے خانقاہ سے مغرب کی طرف ایک مسجد بنوائی تھی جو ابتک موجود ہے ۔

معزالدین بن جہاندار شاہ جب اپنے بھائیوں اور دیگر رشتہ داروں کے خوف سے جان بچا اور تخت و تاج سے نا اُمید ہو کر لاہور میں حضرت کے مزار پر آیا تو اُس نے عہد کر لیا کہ اگر خداوند کریم مجھے بادشاہی پھر نصیب کر دے تو میں حضرت کے مزار پر سائبان بچوب ہائے طلائی اور روپیہ اور اشرفی سے دو بھری

ہوئی دیگیں نذر کرونگا۔ چنانچہ جب وہ دوبارہ تخت نشین ہوا تو اُس نے دلی خلوص اور عقیدتمندی سے ایفائے وعدہ کیا جس سے حضرت کے مزار کا احاطہ اور چاردیواری حضرت بلاول کی سعی سے بہت عمدہ تیار ہوگئی۔

جب مہاراجہ رنجیت سنگھ کو حضرت مادہولال حسین اور اُن کی کرامات وغیرہ کے ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ شاہانِ مغلیہ یہاں لاکھوں روپیوں تک نذرونیاز چڑھا گئے ہیں تو اُس نے حکم دیا کہ ہرچند میں شاہانِ چغتائی کی برابری کے لائق نہیں۔ تاہم حتی المقدور خانقاہ کی مرمت اور فقیروں اور سالانہ عُرسوں کے خرچ اخراجات میں کافی امداد دیا کروں گا۔ چنانچہ شیرِ پنجاب نے مفصلہ ذیل معافیات واگذار کیں۔

(۱) چاہ موراں والا جس کی زمین [illegible] بگیہ ہے (۲) چاہ مان والا جس کی زمین [illegible] بگیہ ہے (۳) چاہ بیرو والا جس کی زمین [illegible] بگیہ ہے (۴) چاہ بکنم جس کی زمین کل [illegible] بگیہ ہے (۵) ضلع امرت سر میں ایک چاہ جس کی زمین [illegible] بگیہ ہے (۶) موضع فتح گڈھ ضلع لاہور میں ایک بگیہ زمین (۷) اٹاری ضلع امرت سر میں سات بگیہ زمین (۸) موضع کوٹ بگیم میں تین بگیہ زمین ان کے علاوہ مہاراجہ خاص عُرس اور بسنت کے دن بھی بہت کچھ امداد دیا کرتے تھے۔

غرض مہاراجہ رنجیت سنگھ سے لیکر مہاراجہ دلیپ سنگھ تک جسقدر راجے مہاراجے اور حاکم ہوئے حضرت مادہولال حسین کے معتقد اور اپنے آپکو اُنکے خادموں میں شمار کرتے تھے۔ شاہانِ مغلیہ سے سکھوں کے زمانہ تک تو مزار حسین کے سجادہ نشینوں کو علاوہ سالانہ عُرس کے اور بھی بہت کچھ آمدنی ہوجاتی تھی۔ مگر سکھونکی سلطنت کے زوال کیساتھ ہی اُن کی آمدنی کو بھی زوال آگیا۔

چنانچہ مولوی نور احمد صاحب تحقیقات چشتی میں (جس کو چھپے ہوئے چھتیس سال کا عرصہ گذر چکا ہی) لکھتے ہیں "اس خانقاہ پر بیس پچیس فقیر رہتے ہیں جو بالعموم گدائی کر کے اپنا پیٹ پالتے ہیں۔ آمدنی کا یہ حال ہے کہ چراغ بتی کا خرچ بمشکل چلتا ہے۔

عرس کی تاریخ حضرت لال حسین کی تاریخ وفات سے ایک سال بعد شروع ہوتی ہے (جس کو اس وقت یعنی ۱۳۲۷ھ ہجری مطابق ۱۹۰۹ء میں) تین سو بارہ سال کا عرصہ ہو چکا ہے۔ پہلے حضرت کا عرس حساب قمری کے مطابق ہوتا تھا۔ مگر اس خیال سے کہ مسلمانوں کے مہینے کبھی کسی موسم میں آجاتے ہیں اور کبھی کسی موسم میں۔ اور اس طرح زایرین اور مسافروں کو سخت تکلیف ہوتی ہے۔ اس لیے ۱۸۶۳ء میں یہ قرار دیا گیا کہ عرس ہر بساکھ کی ۱۴ اور ہر مارچ کی مہینے کی آخری تاریخ کو اتوار کے دن ہوا کرے۔ کیونکہ ان دنوں دنوں میں موسم بہار کے سبب زائرین کو گرمی کی ناقابل برداشت تکلیف نہیں اُٹھانی پڑتی۔

یہ میلہ جو ہر سال مارچ کی آخری یک شنبہ کو لاہور میں باغبانپورہ کے متصل ہوا کرتا ہے۔ اصل میں عرس مادھو لال حسین کا ایک ضمیمہ ہے جو خانقاہ مذکورہ پر ایک رات پہلے منعقد ہوتا ہے۔ ہر سال اس موقعہ پر بے شمار آدمی جمع ہوتے ہیں۔ اور مجھے افسوس سے لکھنا پڑتا ہے کہ اس بیشمار مخلوق میں سے فی صدی پانچ بھی ایسے بمشکل نکلیں گے۔ جن کو یہ معلوم ہو کہ اس میلہ کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟ عرس مادھو لال حسین کا نام کیوں نہیں لیا جاتا۔ میلہ باغبانپورہ سے شالامار باغ میں کیوں چلا گیا؟ اور خود حضرت لال حسین اور شیخ مادھو کون تھے؟

ابتدا میں جو لوگ خانقاہ مادھو لال حسین پر بتقریب عرس آیا کرتے تھے ان میں بہت سے ایسے ہوتے تھے جو عرس سے فارغ ہو کر سیدھے اپنے گھروں کو لوٹ جایا کرتے تھے۔ اور اُن شوقین طبیعتوں کی بہت تھوڑی تعداد تھی۔ جو بغرض سیر اور رفع تکان شالامار باغ کی سیر سے حظ اُٹھایا کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ یہ دستور یہاں تک رواج پا گیا کہ لوگ اصل غرض کو بھول گئے۔ اور تمام رونق وغیرہ شالامار باغ میں ہی ہونے لگی۔

جن لوگوں نے اس غرض کو بھلا دیا تھا۔ اُن میں سے بہت کچھ چل بسے اور جو باقی ہیں وہ چراغ سحری کی طرح مدہم سی روشنی دے رہے ہیں ان کی آیندہ

نسلوں کو نہ اصل راز کا ہی پتہ ہے اور نہ خبر ہے دوسرے مشاغل انہیں تحقیق و عبرت کا مادہ ہی حاصل کرنے دیتے ہیں۔ یہ بھی خدا بھلا کرے۔ چند ایک مورخوں کا جن کے طفیل مٹے ہوئے نقش اور فراموش شدہ یادگاریں روشنی میں آگئی ہیں۔

چونکہ عرس کی رات کو خانقاہ مادھولال حسین پر چراغاں کی روشنی ہوا کرتی ہے جس سے تمام دربار اور اُس کا احاطہ جگمگ جگمگ کر اُٹھتا ہے۔ اس لیے اس عرس کا نام میلہ چراغاں مشہور ہو گیا ہے۔ اس رات کو سیر چراغاں سے جو کیفیت اس مقام کی ہوتی ہے۔ وہ دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ رات کو دن کا سماں نظر آتا ہے۔ لاہور اور امرتسر کی طوائفیں اپنی اپنی خوبصورتی اور خوش آوازی کے جوہر دکھا کر محفل کو کسی اور ہی رنگ میں لیجاتی ہیں۔ وحدت تصوف اور معرفت کی غزلیں گائی جاتی ہیں۔ اور اہلِ بزم حال سے قال کی صورت میں آجاتے ہیں۔

داتا گنج بخش

نام آپ کا حضرت علی مخدوم ہجویری غزنوی جلالی اور مشہور داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ حضرت کے والد کا نام حضرت عثمان ابن علی جلالی غزنوی ہے۔ آپ مرید حضرت شیخ ابوالفضل بن حسن ختلی کے ہیں۔ مذہب آپ کا امام اعظم کوفی کے تابع اور سلسلہ آپ کا جنیدیہ ہے۔ ہجویر آپ کا اصل وطن ہے جو شہر غزنی (افغانستان) کے ایک محلہ کا نام ہے۔ لاہور میں آپ اپنے پیر و مرشد کے اشارہ سے آئے تھے۔ جب آپکو لاہور کا حکم ہوا تو آپ نے عرض کی کہ وہاں میرے بھائی حضرت حسین زنجانی قطب لاہور موجود ہیں میری کیا ضرورت ہے مگر آخر پیر صاحب کے اصرار پر آپ نے وطن کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہا۔ اور ایک لمبے سفر کے بعد آپ لاہور پہنچے۔ یہاں آ کر آپ کو اپنے لاہور آنیکی وجہ معلوم ہو گئی۔ یعنی آپ نے دیکھا کہ سامنے سے حضرت

حسین زنجانی کا جنازہ آ رہا ہے۔ آپ بھی شامل جنازہ اور شریک تجہیز و تکفین ہوئے۔ وہاں آپ نے ایک مسجد[1] بصرف خود تعمیر کرائی۔ جسکی بابت دارا شکوہ نے سفینۃ الاولیا میں لکھا ہے کہ حضرت نے یہ مسجد تعمیر کرائی۔ تو اس کے قبلہ کا رُخ ذرا سا مائل بطرف جنوب کر دیا۔ علمایانِ لاہور نے اسپر اعتراض کیا۔ مگر جب مسجد تعمیر ہو گئی۔ تو آپ نے کل علمایانِ لاہور کی دعوت وضیافت کی اور امام ہو کر نماز پڑھائی۔ جب لاہور کے علما اور فضلا نے دیکھا کہ قبلہ خود بخود ہی سیدھی طرف ہو گیا۔ یہ دیکھکر انگشت بدنداں ہو کر آپ کی کرامت کے قایل ہو گئے۔ روایت ہی کہ سنہ پانسو ہجری میں قطب الاقطاب غریب نوازہ حضرت معین الدین چشتی قدس اللہ سرہ العزیز حضرت کے مزار پر چلہ[2] کاٹنے کی غرض سے آئے۔ وہ مکان جہاں شہنشاہِ ہند حضرت خواجہ صاحب نے چلہ کاٹا تھا۔ اب تک حضرت کے مزار کے جنوب رویہ اندرون چار دیواری موجود ہے۔ حضرت خواجہ صاحب اس عبادت خانہ میں ایک مدت تک تشریف فرما رہے۔ آخر جب آپ کو اجمیر شریف کی روانگی کا حکم ہوا تو آپ نے حضرتِ داتا صاحب کی پائینتی کیطرف دست بستہ کھڑے ہو کر یہ شعر پڑھا ؎

گنج بخش فیض عالم مظہر نورِ خدا ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

اُسی دن نہیں بلکہ اُسی گھڑی سے جبکہ خواجہ صاحب نے یہ شعر پڑھا حضرت کا نام "داتا گنج بخش" مشہور ہو گیا۔ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبِ ولایت اور عالی مرتبہ ولی اور بزرگ تر خدا دوست اور مقبول بارگاہِ ربِّ قدیر ہونے کا یہیں سے اندازہ کر لینا چاہئے کہ خواجہ معین الدین

[1] موجودہ مسجد اسی مسجد کے آثار پر بنائی گئی ہے۔ قریبًا ۴۲ سال (۱۲۷۹ھ) کا عرصہ ہوا ہے کہ ایک شخص مسمی گلزار شاہ سادھو نے اس کو از سرِ نو تعمیر کیا تھا۔

[2] چلہ جس بزرگ کو کاٹنا منظور ہوتا ہی وہ اس طرح کرتا ہی کہ ایک بند مکان میں عرصہ (غالبًا ۴۰ یوم) بیٹھکر خور و خواب اور عبادت الٰہی میں مشغول رہتا ہی۔ اور جس بزرگ یا ولی کامل کی قبر پر چلہ کاٹنا منظور ہوتا ہے اُسکی روح سے استمداد چاہی جاتی ہی۔

چشتی جیسے ولی کامل جن کے مشہور نام سے ہندوستان کا بچہ بچہ واقف ہے اور جن کے مزار پرُ انوار پر اکثر شاہانِ سلف وخلف ننگے پاؤں جانا فخر سمجھتے ہیں آپ کے مزار پر چلّہ کاٹنے اور آپ کی روح پر فتوح سے برکت حاصل کرنیکے حاجتمند تھے۔ دور و نزدیک سے ہزار ہا مخلوق زیارت اور حصول مرادات کے لیے آتی ہے۔ جمعرات اور جمعہ کو تو ہمیشہ زائروں کا خاصہ ہجوم ہوتا ہے۔ عُرس کے دن تو ایک خاص میلہ کہنا چاہئے۔ بھاٹی دروازہ سے لیکر مزار پرُ انوار کے پرے تک دوکانیں نہایت قرینہ سے لگ جاتی ہیں اور قریبًا ساری رات تک رونق یکساں ہی رہتی ہے۔ حضرت کی تاریخ وفات کے متعلق مورخوں میں ذرا سا اختلاف ہے۔ مصنف نفحات الانس ۴۶۵ھ ہجری میں صاحب تذکرۃ الاصفیات ۴۶۴ھ ہجری۔ اور حضرت دارا شکوہ (اورنگ زیب عالمگیر کے بڑے بھائی) سفینۃ الاولیا میں ۴۶۶ھ ہجری لکھتے ہیں مگر خانقاہ کے اندرونی دروازہ پر مادۂ تاریخ سے ۴۶۵ ہجری معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ اصل شعر درج ذیل ہے۔ ؎

چونکہ سردار ملک معنی بود
سالِ اصلش برآید از سردار

مفتی غلام سرور صاحب لاہوری اور مولوی احمد بخش صاحب یکدل کی تاریخوں سے بھی ۴۶۵ھ ہجری ہی مادہ تاریخ نکلتا ہو۔ یہ خانقاہ بیروں بھاٹی دروازہ رائے میلارام کے کارخانہ کے (قریبًا) عقب میں واقع ہے اس مزار کے گرد عہد سکھاں سے بیشتر ایک بھاری قبرستان تھا مگر مہاراجہ رنجیت سنگھ کے حکم سے شہر خموشاں ویران کردیا گیا تاہم اب بھی بہت سی قبریں باقی ہیں۔ مجاوروں کی جائے نشست کے ملحقہ چبوترہ پر میر مومن خاں نائب ناظم لاہور کی قبر ہے۔ بالمشافہ اس قبر کے ایک دالان نواب خان خانان کا بنایا ہوا موجود ہے۔ جو پہلے تو سنگ سیاہ کا تھا۔ مگر قریبًا دو سو سال کا عرصہ ہوا۔ کہ یہ دالان ایک زلزلہ کے صدمہ سے گر گیا تھا۔ بعد میں مہاراجہ رنجیت سنگھ صاحب کے زمانہ میں محمد خاں[۱] (مختار ٹکسال

---

[۱] محمد خان مہتمم ٹکسال کی قبر بھی اسی جا میں رانی چند کور والے دالانیں موجود ہی محمد خاں ۱۲۳۳ھ ہجری میں فوت ہوا تھا ۱۲

سرکاری نے اس کو خشتی بنوایا۔ چاہ۔ سبیل اور غسل خانہ پختہ کے پاس ایک دالان مسقفہ پختہ ہے۔ جس کو مہاراجہ کھڑک سنگھ کی رانی چند کور (والدہ نونہال سنگھ) نے سمت ۱۸۹۵ء میں بنوایا تھا۔ دروازہ کی چوکھٹ سفید سنگ مرمر کی ہے جو اکبر بادشاہ نے بنوائی تھی۔ مگر بعد میں ایک دفعہ موراں طوائف محبوبہ مہاراجہ رنجیت سنگھ اور دوسری دفعہ مہر نشاں (ایک طوائف) اور تیسری دفعہ نواب شیخ امام الدین صاحب صوبیدار کشمیر و رئیس لاہور نے سفیدی کرائی تھی۔ چار دیواری کی چھت بہت پرانی ہو گئی تھی۔ مگر اس کو مہاراجہ رنجیت سنگھ نے نئے سرے سے تیار کرا دیا۔ جس دالان میں قرآن شریف رکھے ہوئے ہیں۔ وہ ہیرا صاحب کنور نونہال سنگھ نے بنوایا تھا۔ یہ قرآن شریف بڑے بڑے اور عالیشان اور قلمی ہیں۔ تین چار سیپارے ایک شخص مشکل سے اٹھا سکتا ہے۔ ہر ایک سیپارے کی جلد علیحدہ علیحدہ ہے۔ اور ہر ایک قرآن شریف ایک ایک صندوق میں بند ہے۔ ان میں سے ایک قرآن شریف تو موراں طوائف نے سنہ ۱۲۵۱ ہجری میں نذر کیا۔ اور ایک قرآن شریف جس کے ہر سیپارے کے اخیر پر الحمد اللہ اور نام محمد ہادی المشتہر بمومن الملک علاؤ الدولہ جعفر خاں نصیری بہادر نصرت جنگ تحریر ہے۔ نواب دکھن کا نذر کیا ہوا ہے یہ قرآن شریف سنہ ۱۱۳۰ ہجری میں نواب دکھن نے اپنے خاص قلم سے لکھ کر حضرت کے مزار پر روانہ کیا تھا۔ ایک قرآن شریف شیخ غلام محی الدین صاحب صوبیدار کشمیر یعنی نواب شیخ امام الدین مغفور کے باپ اور نواب غلام محبوب سبحانی صاحب مرحوم کے دادا نے نذر کیا تھا۔ ایک قرآن شریف میاں صمدو تاجر کشمیری امرتسری اور ایک بخط ملتانی نواب ملتان کا نذر کردہ ہے بعض قرآن شریف بہت پرانے ہیں جنکی بابت کچھ معلوم نہیں کہ کہاں سے آئے کس نے بھیجے۔ اور کتنے عرصے کے ہیں۔ مزار گوہر بار چبوترہ سنگ مرمر سفید پر واقع ہے۔ مقبرہ مبارک پر ہمیشہ غلاف پڑا رہتا ہے۔ اس چبوترہ کے گرد ایک پنجرہ چوبی ہشت پہلو ہے۔ جو میاں عوض خاں فیل بان مہاراجہ رنجیت سنگھ نے سنہ ۱۲۴۰ ہجری میں بنوایا تھا حضرت کے مزار کے پاس ہی دو

اور قبریں ہیں - ایک شیخ احمد حمادی سرخسی کی اور ایک شیخ ابوسعید ہجویری کی یہ دونوں آپ کے پیر بھائی آپ کے ساتھ ہی لاہور آئے تھے۔ حضرت کا مزار سب سے پہلے سلطان محمود غزنوی کے برادر زادے ظہیر الدولہ سلطان ابراہیم بن سلطان مسعود غزنوی نے بنوایا تھا - اور چبوترہ اور تعویذ مزار اسی کے زمانہ کا ہی - بعہد مہاراجہ رنجیت سنگھ ایکہزار روپیہ سالانہ مجاوروں کو ملتا تھا مگر ۴۴ سال کا ذکر ہے کہ صرف ایکسو روپیہ سالانہ رہ گیا ہے ایک کنواں اور کچھ زمین متفرقہ بھی واگذار ہے - اور بابت معافیات فرمان شاہی بھی موجود ہیں - مگر اب پوچھتا کون ہے - حضرت کے مجاوروں میں سے سب سے پہلا مجاور ہندو سے مسلمان ہوا تھا - جس کا نام خود حضرت نے شیخ ہندی رکھا تھا - داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ صرف فقیر کامل ہی نہیں تھے - بلکہ صاحب علم و فضل اور صاحب تصنیف بھی تھے - آپ کی تصنیفات سے کشف المحجوب ایک مشہور اور علم تصوف کی ایک نادر کتاب ہی -

حضرت میانمیر[1]

حضرت کا مزار پُرانوار غرب رویہ سڑک چھاؤنی میانمیر جو ریلوے سٹیشن سے ہو کر جاتی ہے - واقع ہے - آپ کے نام پہ ایک چھوڑ دو موضع میانمیر ایک شرقی اور ایک مغربی آباد ہیں - حضرت کے مفصل حالات کے لیے ایک علیحدہ کتاب کی ضرورت ہے - چنانچہ ایک کتاب صرف حضرت میانمیر اور اُن کے خلفائے کے حالات میں بنام سکینۃ الاولیا حضرت دارا شکوہ نے لکھی ہوئی ہے - اور جس کتاب سے حضرت کے یہ مختصر سے حالات اخذ کیے جاتے ہیں - اس میں بھی چالیس پچاس صفحوں پر صرف حضرت میانمیر بالا پیر کی کرامات اور اُن کے خاص خاص خلفا کے حالات درج ہیں

[1] حضرت کا مزار پہلے ایک باغ کی صورت میں تھا مگر عرصہ ۱۵۰ سال کا ہوکہ مہدی شاہ سجادہ نشین نے حضرت کے نام پر ایک گاؤں آباد کر دیا - مہدی شاہ کی وفات ۱۱۹۰ھ ہجری میں ہوئی تھی - ۱۲

چونکہ یہاں اختصار مدِّ نظر ہے۔ اسلیے بطور خلاصہ حضرت کے حالات درج کیے جاتے ہیں۔ حضرت کا اصلی وطن و مولد شہر سیستان بیان کیا جاتا ہے مگر عین عالم شباب یعنی ۲۰ سال کی عمر میں آپ لاہور تشریف لائے۔ اور تادم وصال یہیں رہے۔ بقول حضرت ریاض۔

ریاض اس شہر سے ہم کیا کریں اب قصد جانیکا
نصیبوں میں لکھا ہے خاک گورکھپور ہو جانا

حضرت کے تین اور بھائی بھی تھے۔ قاضی بولن۔ قاضی عثمان اور قاضی طاہر۔ آپ کی پیدائش ۹۵۷ھ میں ہوئی۔ خاندان قادریہ میں آپ کامل اکمل اور شاہ ولایت فقیر ہو گذرے ہیں۔ لکھا ہے کہ حضرت نے ابتدائی تعلیم اپنی والدہ (فاطمہ بنت قاضی قادن) سے حاصل کی اور تھوڑے ہی عرصہ میں عالم باخبر ہو گئے۔ پھر اپنی والدہ کی اجازت سے کسی مرشد کامل کی تلاش میں کوہستان سیستان میں پھرنے لگے۔ وہاں شیخ خضر سیستانی سے ملاقات کرکے بشرف بیعت سرفراز ہوئے۔ جب حضرت تکمیل ولایت کو پہنچ گئے تو بحکم پیر روشن ضمیر لاہور روانہ ہوئے۔ حضرت تمام رات شب بیدار رہتے تھے۔ اور حبس نفس یہانتک حاصل کیا تھا کہ اکثر ایک دم یا دو دم میں ہی تمام رات بسر کر دیتے تھے۔ البتہ جب آپ کی عمر اسی سال کی ہوئی اور ضعف غالب ہوا تو چار دموں میں رات بسر فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ کے مشہور اور کامل خلفا کے نام ذیل میں درج ہیں جنپر خود حضرت میاں میر کو بھی ناز تھا (۱) حضرت ملا شاہ (جو حضرت داراشکوہ کے پیر تھے) (۲) شیخ نتھا (۳) شیخ اسمٰعیل (۴) میاں حامد قادری (۵) ملا عبدالغفور (۶) میران شاہ سعید (ان کا مزار دھرم کوٹ متصل ڈیرہ بابا نانک موجود ہے) (۷) حضرت عبدالغنی (۸) حاجی صالح (۹) شیخ نعمت سرہندی۔ حضرت کی کرامات بیحد و حساب مشہور ہیں۔ جن میں سے بطور اختصار چند ایک درج کی جاتی ہیں۔ داراشکوہ لکھتے ہیں کہ جب میں پہلے پہل اپنے والد شاہجہاں کے ہمراہ حضرت کی خدمت میں بغرض دعائے صحت خود حاضر

ہوا۔ تو حضرت نے بادشاہ (یعنی شاہ جہاں) کی استدعا پر پانی دم کر کے مجھے پینے کو دیا۔ پانی پیتے ہی مجھے فوراً صحت ہو گئی۔ حالانکہ میں ایسا بیمار تھا کہ اطبا میرے علاج سے عاجز آگئے تھے۔ ایک دفعہ جہانگیر نے آگرہ سے ایک معتبر شاہی قاصد بھیجکر حضرت کو طلب کیا۔ حضرت وہاں گئے جہانگیر کمال تعظیم و تکریم سے پیش آیا۔ حضرت بہت سی نصائح دلپذیر فرماتے رہے جہانگیر نے متاثر ہو کر عرض کیا۔ کہ ملک و دولت چھوڑ کر فقیر ہو جانے کو دل چاہتا ہے۔ آپ مجھے اپنا خادم کریں اور خدا کا راہ بتائیں آپ نے فرمایا کہ تو خلق اللہ کی حفاظت کیلیے پیدا کیا گیا ہے۔ اوّل تم اپنی طرح کوئی اور شخص خیرخواہ خلق اللہ اور عادل و حلیم اور کریم النفس پیدا کر کے بادشاہ بناؤ۔ پھر ہم کو فقیر کر لیں گے۔ اس تقریر سے جب جہانگیر کی تسلی ہو گئی تو کہا کہ حضرت آپ کچھ طلب کریں۔ آپ نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ تم مجھکو رخصت دو اور پھر کبھی ایسی (یعنی حاضر باشی کی) تکلیف نہ دو۔ جب حضرت میاںمیر واپس لاہور تشریف فرما ہوئے۔ تو شہنشاہِ جہانگیر نے دو عریضے بدست خاص آپ کی خدمت میں روانہ کئے۔ جنکو داراشکوہ نے اپنی کتاب میں بھی درج کیا ہے۔ حالانکہ یہ ایک جلیل القدر شہنشاہ کی تحریر ایک فقیر کے نام ہے۔ اس لیے بطور یادگار ایک عریضہ درج کیا جاتا ہے۔ جہانگیر لکھتا ہے "بعد از عرض و نیاز مخلص حقیقی تمام اخلاص بموقف عرض میرساند کہ ؏

قالبم ایں جا و جاں در کوئے دوست
خلق را وہمے کہ جان در قالب است

خدا آں روز آرد کہ دولت قدمبوس حاصل کنم۔ فقط"

داراشکوہ حضرت کی ایک کرامت چشم دید ان الفاظ میں لکھتے ہیں کہ حضرت ایک دن باغ میں متوجہ بیاد الٰہی تھے۔ ایک قمری درخت پر بیٹھی ہوئی ہو حق میں محو تھی۔ کہ ایک شکاری نے غلیلہ کا نشانہ لگا کر قمری کو نیست و نابود کر دیا۔ اور اپنی فتحیابی پر خوش خوش ٹہلنے لگا۔ حضرت نے مجھے حکم دیا کہ اس فاختہ جان یافتہ کو اٹھا لاؤ۔ میں نے حکم کی تعمیل کی آپ نے مُردہ قمری پر دست شفا

پھیرا۔ اور وہ زندہ ہوکر اُڑ گئی۔ اور اُسی طرح نغمہ زنی کرنے لگی۔ شکاری نے جانور کی آواز سُنکر پھر نشانہ مارنا چاہا۔ حضرت نے اسکو منع کیا۔ مگر وہ باز نہ آیا۔ یکایک شکاری کے بازو میں درد پیدا ہوا۔ غلیل زمین پر گر پڑی اور وہ بے خود ہوکر زمین پر تڑپنے لگا۔ حضرت نے فرمایا "دیکھا! بے زبان کو ستانے کا کیسا نتیجہ ہوتا ہے۔ شکاری نے عدم تعمیل ارشاد کی معافی چاہی۔ اور آیندہ کے لیے شکار سے توبہ کی۔ حضرت نے اُسکے بازو پر دستِ شفا پھیرا۔ جس سے وہ صحیح و تندرست ہوگیا۔ حضرت دارا شکوہ سکینۃ الاولیا میں ارقام فرماتے ہیں کہ حضرت کا خادم میاں نتھا بیان کرتا تھا کہ حضرت رات کو لبِ بام استراحت فرمایا کرتے تھے رات کو میں آفتابہ اور بادکش حضرت کے بستر پر رکھ کر چلا آتا تھا ایک رات بادکش دیکھا، تو رکھ آیا۔ مگر آفتابہ رکھنا یاد نہ رہا۔ آدھی رات کو خیال آیا اُسی وقت اُٹھا۔ اور پانی کا لوٹا لیکر جب حضرت کے حجرہ کا دروازہ کھولا تو سخت حیرانی ہوئی کیونکہ بستر خالی تھا اور حضرت وہاں فروکش نہ تھے۔ آوازیں دیں کوئی جواب نہ ملا۔ آخر چراغ جلاکر خانقاہ کا کونہ کونہ ڈھونڈھ مارا مگر حضرت کہیں نظر نہ آئے۔ مجبور ہوکر اپنی جگہ پر آکر لیٹ رہا۔ مگر بباعث تفکر نیند نہ آتی تھی۔ اب مجھے اس بات کی جستجو کی بڑی تمنا تھی۔ کہ حضرت کس رستے سے اور کس وقت تشریف لاتے ہیں میاں نتھا بیان کرتے ہیں کہ میں اسی تمنا میں تھا کہ رات گذر گئی اور حضرت نے اپنے حجرہ سے آواز دیکر فرمایا کہ وضو کیواسطے پانی لاؤ۔ میں پانی لیگیا۔ اور رات کا تذکرہ چھیڑا۔ حضرت نے پہلے تو انکشاف راز سے انکار فرمایا مگر میرے اصرار پر اُنھوں نے فرمایا کہ ہم رات کو غارِ حرا (واقعہ مکہ معظمہ) میں جاکر عبادت الٰہی کرتے ہیں۔ اُس سرزمین کو یہ شرف حاصل ہے کہ اور جگہ کی عبادت یکسالہ اور وہاں کی عبادت یک ساعت برابر ہوتی ہے۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ کو دربار صاحب امرتسر کی تیاری اور آرایش کا بہت شوق تھا۔ یہ شوق اس طرح پورا کیا گیا کہ لاہور میں جسقدر شاہی

عمارتیں اور شاہی مقبرے تھے۔ سب کے پتھر از قسم سنگ مرمر سنگ ابری سنگ سرخ۔ سنگ سیاہ وغیرہ بادشاہی مسجد۔ مقبرہ جہانگیر۔ مقبرہ آصف جاہ مقبرہ نواب علی مردان خان۔ مقبرہ زیب النسا بیگم مخفی (دختر عالیہ عالمگیر) مقبرہ نورجہاں بیگم۔ اور مختلف عمارتوں سے اکھڑوا کر امرتسر بھجوائے گئے جب مقبرہ حضرت میاں میر کی باری آئی تو مہاراجہ صاحب خود بہ نفس نفیس میاں میر تشریف لائے۔ جب مقبرہ میں کھڑے ہو کر بیلداروں کو پتھر اکھڑوانے کا حکم دیا تو ہوا خواہانِ دولت نے سمجھایا کہ حضرت میاں میر بادشاہوں کے پیر ہو گذرے ہیں۔ آپ بھی بادشاہ ہیں۔ ان کی بے ادبی نہ کریں۔ مہاراجہ صاحب نے کچھ پرواہ نہ کی۔ جب پتھر اکھاڑنیکا حکم دیکر روضہ سے باہر نکلے اور گھوڑے پر سوار ہوئے تو خدا کی قدرت سے گھوڑا بے لگام ہو کر سیخ پا ہو گیا۔ یہانتک کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ جیسا شہ زور شہ سوار بے قابو ہو کر زمین پہ گر پڑا۔ اُسی وقت۔ حضرت کے مقبرہ پر گیا اور گستاخی و بے ادبی کی معافی چاہی۔ پانسو روپیہ نذر چڑھایا۔ مقبرہ کی سفیدی کا حکم دیا اور مجاوروں کو بہت سی معافیاں اور جاگیریں دیں۔

مشہور ہے کہ حضرت میاں میر کا اصل نام شیخ محمد (فاروقی) تھا۔ آپ ایسے قابل فقیہہ تھے کہ کوئی ہمعصر عالم آپ کی برابری نہیں کر سکتا تھا۔ حضرت کی والدہ بی بی فاطمہ اور ہمشیرہ بی بی جمال خاتون یہ دونوں عفیفہ بھی بڑی صاحب کمال تھیں۔ حضرت عموماً کہا کرتے تھے کہ "صوفی آن بود کہ نبود" جیسے کہ شیخ نبھا (مرید خاص) اصل میں "نہ بھا" ہے آپ اپنے مریدوں اور معتقدوں کو مرید اور خادم نہیں سمجھا کرتے تھے۔ بلکہ ہمیشہ بمتابعت آنحضرت صلعم "یار اور دوست" کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ اور یہ شعر اکثر وردِ زبان رہتا تھا۔

شرط اوّل در طریق عاشقی دانی کہ چیست
ترک کردن ہر دو عالم را و پشت پا زدن

دارا شکوہ لکھتے ہیں کہ ایک دن میں اور میرے والد شہنشاہ شاہ جہاں) حضرت کی خدمت میں جا رہے تھے۔ کہ رستے میں قبلہ عالم نے فرمایا کہ اگر

پیر تمہارا کامل ہے۔ تو آج ہمکو بے موسم انگور تازہ کھلائیگا۔ جب ہم حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے اپنے ایک خادم کو حکم دیا کہ اندر سے انگور کا خوانچہ اُٹھا لاؤ۔ جس کو ہم سب نے کھایا۔

میاں نتھا سے آپ کو بہت محبت تھی۔ اور وہ بھی اکثر حضرت کی خدمت میں حاضر رہا کرتے تھے۔ جب میاں نتھا نے ۱۰۲۷ھ ہجری میں انتقال کیا۔ تو حضرت میاں میر نے آبدیدہ ہوکر فرمایا کہ "فقیر کے فقیر خانے کو میاں نتھا لیگئے"۔ اور وصیت فرمائی کہ مجھکو میرے دوست میاں نتھا کے پہلو میں دفن کرنا چنانچہ حضرت بموجب وصیت وہیں دفن کئے گئے۔ شیخ نتھا سے بھی ہزارہا کرامات مشہور ہیں اُن کو علم لدنی کا ماہر بیان کیا جاتا ہے۔ پتھر درخت اور در و دیوار اور حیوان اور چرند و پرند میاں نتھا سے ہم کلام ہوا کرتے تھے۔ ذکر ہے کہ ایک دن ایک بوٹے نے میاں نتھا سے کہا کہ اگر تو قلعی گال کر مجھکو اُسپر ڈالے تو چاندی بن سکتی ہے۔ میاں نتھا کچھ متوجہ نہوئے۔ جب آگے گئے تو ایک اور درخت بولا کہ اگر ذرا سا ٹکڑا میری لکڑی کا لیکر تو مس پر ڈالے تو سونا ہو جائے میاں نتھا نے جناب الٰہی میں بصد نیاز عرض کی کہ یا الٰہی یہ تیری نباتاتی مخلوقات تیری راہ سے مجھکو گمراہ کر رہی ہے۔ تجھے اپنے نام کا واسطہ ہے کہ آئندہ کیلئے اُنکو حکم دے کہ کوئی درخت مجھ سے ہمکلام نہوا کرے۔ ایک دن حضرت میاں میر نے شیخ نتھا سے پوچھا کہ ان دنوں کہاں بیٹھ کے متوجہ بحق ہوتے ہو۔ آپ نے کہا کہ یا مولا پہلے تو متصل موضع اچھرا (من مضافات لاہور) میں عبادت الٰہی کیا کرتا تھا۔ مگر وہاں تمام درختان نرماد جو بالکل نزدیک تھے) کبھی تسبیح سبحان اللہ و الحمد للہ اور جانوروں کی یاد حق کے شور و غل سے میری شغل میں خلل پڑتا تھا۔ اسلئے اب وہاں سے اُٹھکر ایک اور گوشہ میں جا بیٹھا ہوں۔ حضرت میاں میر نے حاضرین مجلس سے تبسم ہوکر فرمایا کہ "بہ بینید کار لپسرے تا بکجا رسیدہ است وچہ حرف ہائے بلند از زبان مے گوید"۔

حضرت داراشکوہ اپنے پیر و مرشد حضرت ملا شاہ صاحب کے حالات میں لکھتے ہیں کہ ان کا اصل نام شاہ محمد لقب منجانب اللہ بالقاب لسان اللہ المشہور

ملا شاہ تھا۔ حضرت ملا شاہ بعالم طفولیّت و صغر سنی وارد کشمیر جنّت نظیر ہوئے۔ اور تین برس تک وہاں رہکر آگرہ میں پہنچے۔ یہاں ایک شخص کی زبانی حضرت میاںمیر کی خوارق عادات و شہرت کا حال سُنکر لاہور تشریف لائے۔ اور بیعت حاصل کی۔ دس برس تک آپ تحصیل علم ظاہری میں مصروف رہکر عالم کامل ہو گئے۔ آپ بھی حضرت میاںمیر کی طرح شب بیدار اور مجرد اور تارک الدنیا تھے۔ آپ کا مقولہ تھا کہ "غُسل احتلام بحالت خواب اور غسل جنابت بحالت قربت زن ہوتا ہے من نہ زن دارم نہ خواب۔ الحمد اللہ کہ ازیں ہر دو فارغم" آپ ہمیشہ اندھیرے ہی میں سکونت پذیر ہوا کرتے تھے۔ دارا شکوہ لکھتے ہیں کہ ایک رات میں حضرت ملا شاہ کیخدمت میں حاضر ہوا۔ آپنے ایک ہمسایہ کے گھر سے چراغ منگوا کر فرمایا کہ دارا شکوہ آج تیرے آنیکی وجہ سے چراغ روشن کرنا پڑا۔ ورنہ آج تیس سال ہو گئے ہیں کہ ہم کو اس کی ضرورت نہیں پڑی۔ دارا شکوہ حضرت ملا شاہ کی ایک چشم دید کرامت لکھتے ہیں۔ کہ مجھکو مسئلہ رویت حق میں شبہ واقع ہوا کہ دیدار خدا (جو قرآن شریف سے ثابت ہوتا ہی) کیونکر ہوگا اور ہمیں کس طرح نظر آئیگا۔ میں اسکے دریافت کرنیکی غرض سے حضرت ملا شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مگر بہ باعث رعب کچھ عرض نہ کر سکا۔ اور واپس چلا آیا۔ گھر آکر میں نے جناب الٰہی میں اس مشکل کے حل کرنے کی دعا کی۔ ارشاد ہوا کہ اے حیران بادیہ حیرت! کیوں فکر کرتا ہے خدا قادر مطلق ہی جس طرح چاہیگا اپنے مقبول بندوں کو اپنا دیدار پُر انوار دکھا دے گا۔ دوسرے دن میں پھر حضرت مُلّا شاہ کی خدمت میں گیا۔ اُنھوں نے دیکھتے ہی فرمایا کہ اے دارا شکوہ اب تو مسئلہ رویت میں تیری تسلّی ہو گئی۔ میں نے عرض کی کہ یا حضرت اس حال سے سوائے اُس عالم الغیب کے کوئی واقف نہیں۔ آپکو یہ کیفیت کس طرح معلوم ہوئی۔ آپنے فرمایا کہ جس نے تمکو یہ حال سمجھایا۔ اُسی نے مجھکو بتایا ہے حضرت ملا شاہ کی وفات سنہ ۱۰۶۹ ہجری میں ہوئی تھی۔

آخر جب حضرت میاںمیر کو لاہور میں رونق افروز ہوئے قریباً ۶۰ سال گذر گئے تو پیام اجل آپہنچا۔ آپ چار پانچ روز بیمار رہے اور ۷۔ ربیع الاوّل سنہ ۱۰۴۵ھ

لاہور کے محلہ خانی پور میں (جہاں اب چلہ صد بازار انارکلی ہے) فوت ہوئے۔ بوقت وفات حضرت کے پاس خواجہ بہاری۔ ملا شاہ اور شیخ محمد لاہوری تھے۔ روایت ہے کہ وفات سے ایک دن پہلے نواب وزیر خاں (بانئے مسجد وزیر خاں) حاکم لاہور عیادت کے لیے حاضر ہوا۔ اور کہا کہ ایک حکیم حاذق معالجہ کے لیے ہمراہ لایا ہوں۔ کیا حکم ہے؟ حضرت نے فرمایا۔ ع

دردمندِ عشق را دارو بجز دیدار نیست

غرض آپ کے انتقال کی خبر سُن کر لاہور وحشت زدہ ہو گیا۔ تمام اہالیان دربار و اکابر نامدار فضلائے روزگار تمام ہندو مسلمان اور مرید و خادم حضرت کے جنازہ کے ساتھ تھے۔ اور لاہور[1] سے نصف کوس کے فاصلہ پر اپنے یارِ غمخوار میاں نتھا کے پاس دفن کئے گئے۔ آپ کی وفات کے دن یہ اشعار اکثر اشخاص کی زبان پر جاری تھے۔ ؎

دردا کہ پاک باز جہاں از جہاں برفت | پاک آنچناں کہ بود برفت آنچناں برفت
غم شد محیط مرکزِ عالم زہر کراں | کاں مرکز و محیط کرم از میاں برفت

داراشکوہ سکینۃ الاولیا میں نہایت رنج و افسوس سے لکھتا ہے کہ حضرت کے انتقال کے وقت میں اکبر آباد (آگرہ) میں تھا۔ مگر اُسی وقت یہ واقعہ خواب میں مجھکو نظر آیا۔ چار دن کے بعد اس خواب کی تصدیق بھی ہو گئی۔ جبکہ لاہور سے خبر جانکاہ واقعہ وفات آں جامع کمالات کی آگرہ میں پہنچی۔ حضرت ملا فتح اللہ صاحب نے آپ کی تاریخ وفات موزوں کی جو روضہ مبارک پر تحریر ہے۔ ؎

---

[1] اب یہی مقام جہاں حضرت مدفون ہیں لاہور سے تین کوس کے فاصلہ پر ہے۔ یہاں سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ لاہور پہلے کسقدر آباد تھا۔ میانمیر نام گاؤں تو بعد میں آباد ہوا۔ مگر اسکے متصل دو مواضعات بنام عالم گنج اور دارا پور بھی تھے جن کا اب نام نشان بھی نہیں۔ لاہور کی آبادی آج بھی ڈیڑھ لاکھ کے قریب ہے۔ شاہانِ سلف کے زمانہ میں جبکہ اسکی آبادی باغبانپورہ۔ میانمیر اچھرہ اور نواں کوٹ تک تھی۔ کیا کچھ رونق نہ ہوگی۔

۵ میاں میر سرِ دفترِ عارفان | کہ خاکِ درش رشکِ اکسیر شد
سفر جانبِ شہرِ جاوید کرد | ازیں محنت آباد دلگیر شد
خرد بہر سالِ وصالش نوشت | بہ فردوس والا میاں میر شد

داراشکوہ اگرچہ مُرید حضرت ملا شاہ صاحب کے تھے مگر ارادت کاملہ اور بیشتر حاضر باشی حضرت میاں میر کی خدمت میں تھی۔ چنانچہ حضرت کا عالیشان روضہ داراشکوہ نے ہی بنوایا۔ اس بدنصیب اور درحقیقت مصیبت زدہ شاہزادے کا ارادہ تھا کہ حضرت کے روضہ مقدس سے تا قلعہ لاہور نہایت مصفا اور خوشنما سنگِ سُرخ کی ایک سڑک خاص اپنی آمد و رفت کیلیے جو پا برہنہ ہو گی بنوائی جائے۔ اسی غرض سے اس نے ہزاروں روپیہ کا سنگ سُرخ منگوایا۔ مگر یہ تمنا ابھی پوری نہ ہوئی تھی کہ فقیر دوست شہزادے اپنے چھوٹے بھائی اورنگ زیب کے اشارے سے ہمیشہ کیلیے دنیا سے رخصت ہو گیا۔ قتل کا یہ دردناک واقعہ یکم محرّم ۱۰۷۱ھ ہجری میں ہوا۔ جبکہ عالمگیر اورنگ زیب کو تخت نشین ہوئے صرف دو سال ہی گذرے تھے صاحب مخبر الواصلین نے تاریخ وفات میں مندرجہ ذیل اشعار لکھے ہیں۔ ۵

آنکہ شاہ بلند اقبال است | رتبہ اش در مقام ابدال است
جمعہ و غرّۂ مہ عاشور | بود روز وصال آن مغفور
سال تاریخ نقل آن شہ دین | شد رقم صاحب بہشت بریں
مرقدِ آں قتیلِ عشقِ الٰہ | ہست در گنبد ہمایوں شاہ

داراشکوہ کے قتل کے باعث روضۂ حضرت میاں میر بھی کچھ نامکمل سا رہ گیا۔ جس کو اورنگ زیب نے معمولی خشتی عمارت سے پورا کر دیا۔ اور سنگ سُرخ جس قدر داراشکوہ نے جمع کیا تھا۔ اُس سے قلعہ کے پاس ایک عالیشان بادشاہی مسجد تعمیر کر دی۔ جس پر عالمگیر کا نام بھی لکھا ہوا ہے۔ حضرت کے مزار پر انوار پر دو میلے ہوتے ہیں۔ ایک عرس کا جبکہ زائرین[۵] اور

۵ آجکل کے اکثر زائرین محض عیاش طبع اور شوقین لوگ ہوتے ہیں۔ اصل میں ایسے عرسوں

خلق اللہ وہاں شب باشی اختیار کرتے ہیں۔ اور تمام رات ناچ و مجرا اور راگ و رنگ رہتا ہے۔ اور راجہ اندر کا اکھاڑا (طوائفین) مفت اپنا جلوہ دکھاتا ہے۔ صبح سے شام تک قوالی ہوتی رہتی ہے۔ شوقین لوگ جس طرح شالامار باغ میں۔ میلہ چراغاں کے دن ہر قسم کے طعام تیار کرتے ہیں اسی طرح یہاں بھی خوب جلسے اور دعوتیں ہوتی ہیں۔ دوسرا میلہ ماہ ساون اور بھادوں میں ہر بدھ اور خصوصاً ہر بدھ کی چاندنی رات کو ہوتا ہے۔ حضرت میاںمیر چونکہ تمام عمر مجرد رہے تھے۔ اُن کی کوئی صلبی اولاد نہ تھی۔ جب حضرت نے وفات پائی تو داراشکوہ نے سیستان (اُن کے اصلی وطن) میں خاص آدمی بھیجے۔ وہاں سے محمدؐ شریف حضرت کا خواہر زادہ آیا۔ جو حضرت کے روضہ کا سجادہ نشین مقرر کیا گیا۔ اور فرمان شاہی کے بموجب تمام عمارات اور جاگیر اور معافیات اُسکو تفویض ہوئیں۔ اب محمدؐ شریف کی اولاد ہی سجادہ نشین چلی آتی ہے۔ روضہ کی چاردیواری میں اس قدر قبور ہیں کہ ایک خاصہ قبرستان نظر آتا ہے۔ یہ سب قبریں بالعموم حضرت کے لواحقوں۔ خادموں اور سجادہ نشینوں کی ہیں۔ ان میں بڑی بڑی اور مشہور قبریں تعداد میں اکیس ۲۱ ہیں۔ جن میں علاوہ سجادہ نشینوں اور خلیفوں کے دو قبریں حضرت کی دونوں بہنوں

بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۱

اور میلوں کا مطلب یہ ہے کہ بزرگوں کی روح پر فاتحہ کہی جائے۔ اور تمام رات ورد و وظائف میں گذاری جائے۔ مگر اب ۵ فیصدی زائرین بھی ایسے نہیں ہیں۔ جو اس پر عمل کرتے ہوں۔ لاہور میں دربار صاحب (داتا گنج بخش) اور حضرت میاںمیر کے عرس کے بہانہ سینکڑوں عیاش اپنے آشناؤں اور بازاری عورتوں کو ہمراہ لیکر اور اُن میں سے بہت سے شرابخانہ خراب سے بدمست ہوکر روپیہ اور عزت برباد کرتے ہیں۔ ایسے ہی عیاش طبع لوگوں نے عرسوں کو بدنام کردیا ہے اور اکثر شریف آدمی اپنی بہو بیٹیوں کو محض اسی وجہ سے عرسوں میں نہیں جانے دیتے۔

(بی بی جمال خاتون اور بی بی جمال بانوی) کی اور ایک نادرہ[1] بیگم ہمشیرہ شہزادہ داراشکوہ اور بنت شہنشاہ شاہجہاں کی ہے۔ جس نے بعمر ۱۱ سال سنہ ۱۰۴۲ھ میں انتقال کیا تھا۔ یہ قبر دجو بارہ دری کے نام سے مشہور ہے) حضرت میانمیر کے حین حیات میں تعمیر ہوئی تھی۔

٭

[1] نادرہ بیگم پہلے پہل نو سال کی عمر میں بخدمت حضرت میانمیر حاضر ہوئی اور برابر دو سال تک ایک وقت (نماز ظہر) کا وضو حضرت کو کراتی رہی۔ جب اس کی عمر گیارہ سال کی ہوئی تو حضرت نے اسکو فرمایا کہ اے فرزند! اب تو جوان ہوگئی ہے وضو کرانے نہ آیا کر۔ نادرہ بیگم کو دل میں ملال گذرا کہ خدا جانے مجھ سے کیا تقصیر سرزد ہوئی ہے کہ حضرت نے مجھکو اس خدمت سے معزول فرمایا ہے۔ دعا کی کہ اے جناب باری اس جینے سے مرنا بہتر ہے مجھے پردہ پوش کرلے۔ اس نیک بخت لڑکی کی دعا میں یہاں تک مقبولیت کا اثر تھا کہ صبح سے پہلے ہی مرغ روح قفس عنصری سے پرواز کرگیا۔ حضرت کو خبر ہوئی فرمایا انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ایک عمدہ تالاب اور مقبرہ کی بارہ دری داراشکوہ نے بنوائی۔ تالاب کی اینٹیں بوقت تعمیر چھاؤنی میانمیر جس کو قریباً نصف صدی سے زیادہ عرصہ گذرا ہے، محبوب شاہ سجادہ نشین نے ۲۵۰ روپے کو فروخت کردیں ٭

لاہور کے اور مشہور صاحب کمال فقرا کا

مختصر احوال

نام	مزار کہاں ہے	سن تولد وفات عمر	تاریخ عرس	مختصر کیفیت
حضرت عبداللہ شاہ قادری (۱)	متصل موضع مزنگ	وفات بماہ جمادی الاول ۱۲۱۳ھ ہجری عمر اسی سال	سال بھر میں جمادی الاول کی آٹھویں سے گیارہویں تک چار روز میلا	آپ قوم کے بلوچ سلسلہ قادریہ کے پیر اور اشعار معرفت بزبان پنجابی کے بہت بڑے شاعر تھے آپ صاحب کشف و کرامات بھی تھے۔
شاہ ابو اسحاق قادری (۲)	شرق رویہ بموضع مزنگ	وفات ۵ محرم ۹۸۵ھ ہجری	ہر سال کی ۵ محرم کو میلا ہوتا ہے۔	حضرت شاہ ابو اسحاق اور حضرت شاہ ابو المعالی پیر بھائی تھے۔ آپ کے مزار پر صرف قرآن خوانی اور فاتحہ ہوتی ہے قوالی راگ اور ناچ کی سخت ممانعت ہے۔

نام	مزار کہاں ہے	سن پیدائش وفات یا عمر	تاریخ عرس	کیفیت
حضرت شیخ موسیٰ (۱)	علاقہ قلعہ گوجر سنگھ	وفات سنہ ۹۲۵ ہجری	...	امرایان سکندر سکندر لودھی آپکے طالب و ارادتمند تھے۔ جہاں آپ کا مزار ہے وہاں آپ کی دوکان آہنگری کی تھی مشہور ہے کہ ایک عورت (ہندو قوم کی) آپ سے چرخے کا تکلا سیدھا کرانے آئی۔ آپ نے تکلا تو آگ میں رکھ دیا۔ اور خود اس عورت کے محو حسن ہو گئے۔ عورت نے شرما کر کہا کہ آپ تکلا سیدھا کیجیے۔ مجھے کیوں دیکھ رہے ہو۔ بلکہ سخت و سست بھی کہا۔ آپ نے کہا کہ میں تجھکو نہیں دیکھتا۔ اُس صانع حقیقی کی صنعت کو دیکھ رہا ہوں اگر تجھکو اعتبار نہیں تو میری طرف دیکھ۔ یہ کہکر تکلا آگ سے نکال کر اپنی آنکھوں میں پھیرا۔ اور کہا کہ اگر میں نے نظر بد سے تجھے دیکھا ہو تو اسی وقت اندھا ہو جاؤں۔ خدا کی قدرت سے تکلا بجائے لوہے کے سونے کا ہو گیا۔ اور آنکھوں کو کوئی ضرر نہ پہنچا۔ یہ کرامت دیکھکر بہت لوگ مُرید ہوئے۔ عورت بھی مشرف باسلام ہو کر اسی مقبرہ کی چاردیواری میں دفن ہوئی۔
شیخ عبدالجلیل المشہور چوہڑ بندگی (۲)	متصل مقبرہ شیخ موسیٰ	۵ رجب سنہ ۹۱۰ ہجری		بعد سلطان سکندر لودھی جب آپ کی کرامات کا شہرہ ہوا تو اُس نے اپنی لڑکی کی شادی آپ سے کردی جس سے ایک لڑکا شاہ ابوالفتح پیدا ہوا۔

نام	مزار کہاں ہے	سن تولید وفات عمر	تاریخ عرس	کیفیت
فقیر تاجے شاہ (۵)	غرب روبہ شاہ ابو المعالی بمیدان زین خان	بروز دوشنبہ ہفتم ماہ بیساکھ سمت ۱۹ مطابق سنہ ۱۲۶۰ھ	سال میں ایک مرتبہ تاریخ وفات پر عرس ہوتا ہے	بروز عرس اکثر لوگ شب باش ہوتے ہیں بھنڈارا اور ناچ رنگ بھی ہوتا ہے
حضرت شاکا کو چشتی (۶)	لنڈا بازار متصل مکانات مولچند بنزد مسجد قدیم جو بقبضہ سکھاں ہے	حضرت نظام الدین سلطان المشائخ دہلی کے مُریدہیں۔ اور چند ملاقاتیں آپ کی حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر سے بھی ہیں۔ عہد عالمگیر میں آپکی شہرت ہوئی۔ جبکہ ایک دن حضرت میانمیر نے یہاں آکر اپنے ہمراہیوں سے فرمایا کہ یہ مزار ایک برگزیدہ خدا اور اولیاء اللہ کا ہے۔		ایک درخت کے نیچے چھوٹا سا چبوترہ ہے جبپر آپکی قبر ہے آپکی وصیت تھی کہ مقبرہ ہمارا معمولی بنایا جائے سال میں ایک دن میلہ ہوتا ہے شہر کے خوجے مجلس وچراغان کرتے ہیں سماع قوالان اور ناچ طوائفان بھی ہوتا ہے
حضرت عبد الرزاق نگی (۷)	سڑک ضلع و متصل کوٹھی جمسٹھ جی سوداگر نیلام	وفات سنہ ۱۰۸۰ھ بروز پنجشنبہ		آپ بعہد ہمایوں بادشاہ غزنی سے آکر پہلے زمرہ سپاہیان میں نوکر ہوئے سنہ ۱۰۰۰ ہجری میں حضرت موج دریا سے بیعت کی اور تارک الدنیا ہو گئے۔

نام	مزار کہاں ہے	سن تعمیر یا وفات	تاریخ عرس	کیفیت
پیر زہدی (۸)	متعلقہ قبرستان میانی صاحب	..	...	بعہد نواب خان بہادر آپ بڑے بزرگ اور فقیر کامل ہو گذرے ہیں۔
حاجی نور صاحب (۹)	"	وفات سنہ ۱۰۵۵ ہجری	..	بعہد شاہجہان بادشاہ آپ بڑے زاہد۔ عابد اور دولتمند فقیر تھے
نظام شاہ مجذوب (۱۰)	متعلقہ گورستان میانی صاحب	وفات سنہ ۱۲۶۹ ہجری		آپ فقیر مست مجذوب تھے۔ تمام ہندو و مسلمان آپ کا نہایت ادب کرتے تھے۔ آپ کا مقبرہ نواب شیخ امام الدین نے بنوایا تھا۔ آپ نے ایک دن تکیہ سادھوان میں آکر بروز عید الضحیٰ عام لوگوں کو کہا کہ آج پرانی صف اُلٹ کر نئی صف قائم ہوگی چنانچہ اُسی دن بلکہ دو گھنٹے کے بعد ہی راجہ ہیرا سنگھ کو مہاراجہ دلیپ سنگھ کے ماموں سردار جواہر سنگھ نے قتل کر ڈالا۔
حضرت عارف چشتی (۱۱)	متعلقہ گورستان خطہ میانی و شرقرویہ مقبرہ حضرت حاجی نور صاحب	وفات سنہ ۱۰۶۳ ہجری ان کی کرامت ابتک مشہور ہے کہ جب کبھی ان کی قبر کے پاس سے گذر ہوا تو ان کی قبر سے قرآن پڑھنے کی آواز آتی ہے بعض لوگوں نے بچشم ظاہر بھی اُن کو کئی دفعہ دیکھا ہے		
شیخ سعدی بلخاری لاہوری (۱۲)	خطہ میانی شرق رویہ چاہ ہدایت خاں	سنہ ۱۱۸۴ ہجری وفات بعہد عالمگیر		آپ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے خلیفہ اعظم حضرت سید آدم کے خلیفہ تھے ابتدا میں شاہجہان بادشاہ کی فوج میں ملازم تھے۔ آپ ولی کامل ہو گذرے ہیں۔

نام	مزار کہاں ہے	سن ولادت وفات عمر	تاریخ عرس	کیفیت
پیر شیرازی (۱۳)	خطہ میانی بجانب گوشہ غربی جنوبی موضع مزنگ	وفات سنہ ۱۰۰۲ ہجری	"	آپ کا اصل نام سید محمد شاہ اور مشہور پیر شیرازی ہے۔ آپ کی خانقاہ تکیہ پیر شیرازی والہ کے نام سے مشہور ہے اس تکیہ میں مزنگ کے بوریا باف لوگ بعہد زمان شاہ خوشاب سے لاہور آئے تھے۔
پیر ہادی رہنما (۱۴)	متصل بوڑھی خانہ	سنہ ۹۸۱ ہجری وفات		آپ سید شاہ شمس تبریز کے نبیرہ ہیں یہ مقبرہ بہت پرانا بعہد بابر بادشاہ کا بنا ہوا ہے اس مقبرہ میں پیر ہادی صاحب کے دو اور بھائیوں کی بھی قبریں ہیں۔ یہ مقبرہ نہایت خوبصورت تھا۔ مگر راجہ دھیان سنگھ نے تمام پتھر اور ستون وغیرہ اکھڑوا کر جموں بھجوا دیے۔ مقبرہ جہانگیر شاہدرہ میں اسی مقبرہ کی طرز پر بنا تھا۔ خوجہ لوگ گندم فروش سکنہ بازار چوک جھنڈا آپ کے مرید ہیں۔
حضرت شاہ شرف (۱۵)	متصل سڑک جیل وٹیلہ ہائے چاندماری	"	۱۳ صفر	آپکا مزار ایک چبوترہ خشتی پر واقعہ ہے جو ۱۴ اس چبوترہ پر ایک قبر آپ کی ایک آپ کے مرشد محمد فاضل کی ایک آپکے مرید عزیز اللہ کی ہے محمد فاضل صاحب کا عرس بھی یہاں ہی ۱۴ ر رجب کو ہوتا ہے۔ قبر کی جنوبی طرف ایک مسجد تھی جہاں آپ مفت تعلیم دیا کرتے تھے اور بادشاہ کیطرف سے آپکو امداد ملا کرتی تھی اب صرف اس مسجد کے نشان باقی ہیں آپ کے مرشد بزمانہ شاہجہاں ہو گذرے ہیں

نام	مزار کہاں ہے	سن وفات یا زمانہ	تاریخ عرس	کیفیت
شاہ اسمٰعیل محدث (۱۶)	متصل کوٹھی مہاراجہ پٹیالہ - ایک بلند چبوترہ پر ہے	وفات سنہ ۱۲۴۹ ہجری	۲۷ رجب	آپ بہت پرانے ولی ہیں - عموماً انگریز لوگ آپ کا عُرس کیا کرتے ہیں - آپ بہت بڑے زبردست اور صاحب تاثیر واعظ تھے -
درگاہی شاہ (۱۷)	متصل مزار شاہ اسماعیل محدث	..	..	آپ بعہد جہانگیر حضرت شاہ چراغ کے ہمراہ لاہور تشریف لائے

تھے - مزار کے جنوب کی طرف ایک چاہ پختہ ہے - جس کا نام باؤلی والیاں والا مشہور ہے - یہ پانی پھوڑے پھنسیوں کیلیے بہت مفید ہے یہانتک کہ جہاں چاہ کا پانی گرتا ہے وہاں کی ٹھیکری کبھی گھس کر اگر پھوڑے پر لگائی جائے تو آرام آجاتا ہے - بروز یک شنبہ یہاں چھوٹے چھوٹے لڑکوں کو نہلانے کیلیے سوا روپیہ نقد اور کچھ روٹیاں شیریں اور نمکین ساتھ لیکر آتے ہیں - مگر اب کنواں ایک انگریز کی کوٹھی میں آگیا ہے -

نام	مزار کہاں ہے	سن وفات یا زمانہ	تاریخ عرس	کیفیت
پیر برہان (۱۸)	بیرون یکی دروازہ	بعہد اکبر بادشاہ	..	آپ کا اصل وطن بخارا ہے - آپ کا مزار پہلے

نہایت خوبصورت تھا - مگر کنور نونہال سنگھ نے مسمار کرا دیا - اب پھر (غالباً چالیس پچاس سال کا عرصہ گذرا ہی) از سر نو بنایا گیا ہی - ایک مسجد بھی پہلو میں ہے - اس قبر کے پاس ہی ایک قبر شہاب نام ایک نوگزہ کی ہے - اور پہلوانوں کا ایک اکھاڑا بھی بنا ہوا ہے -

نام	مزار کہاں ہے	سن پیدائش بیعت وفات	تاریخ عرس	کیفیت
سائیں قطب شاہ (۱۹)	بمقام اوچ شریف	سنہ ۱۲۲۳ ہجری		چودہ سال میں ہی آپ علم عربی و فارسی میں کامل ہو گئے تھے آپنے پہلے پہل بمقام کوٹ

مٹھن مولوی خدابخش صاحب چشتی چڑاں والے سے بیعت کی بعدازاں آپ بارادہ اجمیر وطن سے روانہ ہوئے۔ جب انبالہ پہنچے تو شاہ ولایت علیہ السلام (حضرت علی مرتضیٰ) سے خواب میں ارشاد ہوا۔ کہ لاہور جو مخزن فقرا اور گنجینہ اولیا کرام ہی جاؤ غرض بعہد مہاراجہ شیر سنگھ آپ لاہور پہنچے اور مسجد وزیر خاں میں شب باشی کی۔ یہاں آکر سائیں صاحب نے حضرت احمد یار صاحب ساکن کوٹ پھیرو شاہ ضلع گجرانوالہ سے کامل طور پر بیعت کی سنہ ۱۸۴۸ء میں آپ مسجد لاڈو دایہ والی سے اُٹھکر سر تبگی والے تکیہ میں آئے۔ سنہ ۱۸۶۰ء کے قریب قریب آپ حج کو تشریف لیگئے

صدر دیوان (۲۰)	بیروں شاہ عالمی دروازہ متصل تالاب رتن چند واڑہی والا	وفات سنہ ۶۰۴ ہجری	۱۶ رر رجب	سفینۃ الاولیا میں داراشکوہ نے لکھا ہے کہ سنہ ۵۵ ہجری میں حضرت صدر دیوان صاحب کہ

اصلی نام اُن کا سید یعقوب زنجانی تھا۔ شیخ المشایخ سید حسین زنجانی شیخ المشایخ سید اسحٰق زنجانی اور حضرت امام علی الحق کے ہمراہ لاہور تشریف لائے تھے۔ یہ سب آپس میں رشتہ دار تھے۔ سید حسین زنجانی کا مزار موضع کوٹھی میراں نواح لاہور اور حضرت امام الحق کا مزار سیالکوٹ میں زیارت گاہِ خلق اللہ ہے۔ ان چاروں حضرات سے حضرت خواجہ معین الدین سلطان الہند کی بھی ملاقات ہے جبکہ وہ داتا گنج بخش کے مزار پر چلہ کاٹنے کیلیے آئے ہوئے تھے۔ مشہور ہے کہ جو بے اولاد عورت بروز جمعرات یہاں سے پانی پیتی ہے تو بااولاد ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ آپ کی قبر کے پہلو بہ پہلو چار اور قبریں ہیں۔ ایک صاحبزادہ صاحب کی دو بھتیجوں کی ایک والدہ کی +

نام	مزار کہاں ہے	سن پیدائش وفات عمر	تاریخ عرس	کیفیت
جلہے شاہ (۲۱)	مزار کوٹلی متصل ہرزائن سیالکوٹ وتکیہ لاہور بیروں بھاٹی دروازہ شرق رویہ اُس سڑک کے جو انارکلی سے شاہدرہ کو جاتی ہے۔ وہ بالمشافہ باغ نواب امام الدین خانکی ایک چاردیواری	..	..	آپ کے انتقال کو غالباً پچاس سال سے زیادہ عرصہ گذرا ہوگا۔ کیونکہ نور احمد صاحب چشتی لکھتے ہیں کہ میں نے خود انکو سنہ ۱۸۶۴ء میں دیکھا ہے نیز کوٹلی کے باشندے بھی ایسا ہی بیان کرتے ہیں اور مزار پر انوار بھی نیا ہی معلوم ہوتا ہے آپ فقیر مجذوب تھے اور اکثر لاہور میں ہی رہا کرتے تھے۔ چنانچہ تکیہ آپ کے نام سے ابتک مشہور ہے۔ یہاں آپنے ایک قبر بھی حین حیات میں بنوائی تھی

مگر آخر عمر کوٹلی میں کہ ان کی جاگیر بیان کی جاتی ہے انتقال ہوا۔ لاہور کے تمام لوگ اور بالخصوص خاندان فقیر صاحبان آپ کے نہایت معتقد تھے۔ آپکے مزار کی عمارت آغا شہباز خاں رئیس سیالکوٹ نے بنوائی تھی جو آپ کے دلی عقیدتمندوں میں تھے کہتے ہیں کہ مرحوم آغا شہباز خاں جسکے پوتوں میں سے اسوقت سیالکوٹ میں آغا محمد باقر خان اور آغا محمد جعفر خاں معزز و ممتاز ہیں۔ ابتدا میں ایک بالکل غریب آدمی تھا۔ مگر حضرت کی دعا سے صاحب اقتدار ہوگیا۔ اس خاندان کیطرف سے ابتک تکیہ کی مرمت وغیرہ ہوتی رہتی ہے۔ آپ کی بیشمار کرامات گرد ولواح میں مشہور ہیں (راقم الحروف (محمد الدین فوق) کو اس مزار اور اس مقام (کوٹلی) سے اس لیے زیادہ خصوصیت ہے۔ کہ میرے اجداد یہاں قریباً ۳۰ سال تک بسلسلۂ ملازمت رہے ہیں میرے دادا مولوی رجب علی صاحب بھی اسی احاطہ مزار میں مدفون ہیں۔ انکے علاوہ اور بہت سے عزیز یہاں ہی سوئے پڑے ہیں۔ اور میری خاص ولادت کا مقام بھی یہی کوٹلی ہے جو سیالکوٹ سے دو تین میل کے فاصلہ پر بجانب جنوب واقعہ ہے۔

نام	زاویہ از مکان	سن تعمیر یا وفات	تاریخ عرس	کیفیت
شاہ سرّ ربانی المشہور شاہ سروانی (۲۲)	شمال رویہ موضع مزنگ	وفات ۸۳۵ھ ہجری	نہم صفر کو بباعث وصال اور نہم ربیع الاول کو بباعث دفن	آپ کا اصل وطن احمد آباد دکن ہے آپ کی وصیت تھی کہ ہماری نعش کا صندوق پنجاب کے ۴ اُس مقام میں دفن کرنا جہاں سے صندوق کسی کے ہلائے سے نہ ہل سکے آخر جب لاہور میں آپ کا صندوق پہنچا تو کسی سے نہ اُٹھایا گیا۔ چنانچہ ۸۳۵ھ ہجری میں مزنگ میں آپ دفن کئے گئے۔
پیر خانہ شیر شاہ (۲۳)	غرب رویہ سڑک قصور اور شرقی موضع مزنگ	وفات بعہد اکبر بادشاہ ..	۱۴ اپیساکھ	آپ کا مزار پیر خانہ کے نام سے مشہور ہے آپ قطب الاقطاب حضرت شمس تبریز کے پوتے ہیں۔ تمام زرگر لوگ آپ کو اپنا پیر کامل جانتے ہیں۔ حضرت پیر ہادی رہنما آپ کے ہم جد بیان کئے جاتے ہیں۔
چھیویں بادشاہی (۲۴)	شرق رویہ موضع مزنگ و مقبرہ شاہ ابو اسحاق	" " "	ہر چاند کی پانچویں کو میلا ہوتا ہے	چھیویں بادشاہی سے مراد گورو ہرگوبند صاحب ہیں جو صلح کل اور بے تعصب بیان کئے جاتے ہیں اور جنکی بابت روایت ہے کہ شاہ ابو اسحاق سے انکی بدرجہ کمال دوستی تھی۔ گورو ہرگوبند صاحب یہاں آکر بعہد جہانگیر سکونت پذیر رہے ہیں۔ اس لیے یہ مکان اُنکے نام سے متبرک سمجھا جاتا ہے۔ پہلے معمولی مکان تھا۔ مگر بعہد مہاراجہ رنجیت سنگھ نہایت عمدہ عبادت گاہ بن گئی ہے۔

کیفیت	تاریخ عرس	سن پیدائش و وفات و عمر	مزار کا مکان	نام
ایک بڑے سایہ دار درخت پیپل کے نیچے آپکا مزار ہے۔ آپ کے نام پیر از غیب کیوجہ تسمیہ یہ ہے کہ جب			شمال رویہ امام باڑہ وشرقرویہ دربار داتا صاحب	پیر غازی المشہور پیر از غیب (۲۵)

باغ زیب النسار بیگم (جس کا ایک دروازہ چو بُرجی اب بھی ٹوٹا پھوٹا موجود ہے) بننے لگا اور جب اسکی دیوار شمالی تعمیر ہونے لگی تو مشہور ہے کہ جس قدر دیوار دن کو بنا کرتی تھی رات کو مسمار ہو جاتی۔ جب پانچ سات مرتبہ ایسا ہی ہوا تو بادشاہ نے علمار، و فضلار کا ایک جلسہ دریافت حال کیلیے کیا۔ لوگوں نے کہا کہ یہاں کسی ولی کامل کی قبر ہو گی۔ چنانچہ وہاں قبر کا نشان بنا دیا گیا اور چونکہ یہ بات پردۂ غیب سے ظہور میں آئی تھی۔ اس لیے نام پیر از غیب اور پیر غازی رکھا گیا۔ بعہد شاہانِ سلف یہاں ایک شیش محل تھا۔ اور ایک موضع بھی شیش محل کے نام سے آباد تھا۔ اب بھی بیرون بھاٹی دروازہ سے موضع سانذہ تک کا خطہ شیش محل کے نام سے ہی مشہور ہے۔ اس مزار کا تعلق بھی مجاوران حضرت داتا گنج بخش سے ہے۔ موضع شیش محل میں منڈی بھی لگتی ہے یہ موضع قریباً ایک صدی سے تباہ ہو گیا ہے۔

ہلال عید کو دیکھتے ہی اس تکیہ میں تمام شہر کے چرسی چرس اس زور سے پیتے ہیں کہ دیکھنے والے حیران رہجاتے ہیں	بروز رویت ہلال عید	وفات سنہ ۱۹۴۲ء	شمال رویہ تکیہ قطب شاہ براستہ عام موضع سانذہ	سکندر شاہ (۲۶)

کیفیت	تاریخ عرس	سن وفات یا سن بنائے عمارت	مزار کہاں ہے	نام
حاجی جمعیت کا اصل نام حاجی جمیل ہے آپ بعہد اکبر بادشاہ	۱۱ ماہ ربیع الاوّل	سنہ تعمیر مقبرہ سنہ ۱۰۳۰ء ہجری	بجانب شمال و مغرب ریلوے سٹیشن	حاجی جمعیت قدم رسول (۲۷)

مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ جہاں سے قدم رسول لائے۔ قدم مبارک حضرت سرور کائنات رنگ سُرخ کا ہے۔ ایڑی بطرف شرق اور اُنگلیاں بطرف غرب ہیں یہ مکان قدم رسول کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں ایک قبر غلام رسول لاولد سوداگر کی بھی ہے جسکا حال اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ وہ حاجی جمیل صاحب کا دلی دوست تھا۔ اُس نے بیان کیا کہ میں مکہ معظمہ جانا چاہتا ہوں۔ آپ نے کہا کہ میں نے سات حج کئے ہیں ایک حج کا ثواب تم کو دیا۔ اُس نے کہا کہ مجھے عمارات اور زیارت روضہ کا کمال شوق ہے۔ آپ نے کہا کہ ایک دن اور صبر کرو۔ مگر رات کو عمدہ پوشاک پہن اور عطر خوشبو لگا کر اور ہزار بار درود شریف پڑھکر سونا۔ غلام رسول نے خواب میں دیکھا کہ بیت اللہ اُس کے گھر میں موجود ہے۔ غرض صبح ہوئی اور حاجی جمیل کے پاس آکر غلام رسولؐ نے تمام دولت فقیروں کو بانٹ دی۔ اور آپ بھی فقیر ہو گئے۔ ایک سال کے بعد جب ایک سوداگر غلام رسول کا سات ہزار روپیہ دینے کیلیے آیا تو اُسے معلوم ہوا کہ غلام رسول فلاں مقام پر فقیروں کی طرح بسر اوقات کرتا ہے۔ سوداگر روپیہ لیکر وہاں پہنچا تو اُس نے لینے سے انکار کیا۔ آخر اُس سوداگر نے اسی روپے سے قدم رسولؐ کا مکان اور تالاب اور مقبرہ تعمیر کیا۔ حاجی جمیل مرید حضرت رنگ بلاول کے ہیں جو مادھو لال حسین کے خادم اور خلیفہ تھے۔

آپ کا اصل وطن سید پور کہنہ علاقہ ظفر وال ضلع سیالکوٹ ہے آپ لاہور میں آکر پہلے مسجد ونگے ملاں رہے	۱۲ ماہ ساون	وفات سمت ۱۹۱۰ ۱۲ ماہ ساون بروز پیر	فی مابین دروازہ مستی و کشمیری باغیچہ نواب علی رضا خاں	فضل شاہ (۲۸)

نام	مزار کہاں ہے	سن وفات یا سن تعمیر	تاریخ عرس	کیفیت
				پھر عینکیں بنانے لگے۔ بعد میں سائیں رحمان شاہ مجذوب فقیر کے جذبہ اور مہربانی سے مجذوبانہ حالت میں زندگی بسر کرنے لگے۔ ایک عرصہ تک چوک وزیر خاں میں رہے بعہد مہاراجہ شیر سنگھ آپ نے دروازہ مستی کی طرف قیام پسند کیا۔ راجہ دینا ناتھ آپکا دلی مرید اور عقیدت مند تھا۔ آپ کی قبر آپ کی حین حیات ہی میں راجہ دینا ناتھ نے بنوائی تھی۔ عرس کے دن مجلس قوالان اور ناچ طوائفان سے بڑی رونق ہوتی ہے رات کو بھنڈارہ ہوتا ہے۔ راجہ دینا ناتھ کے زمانہ میں سینکڑوں روپے عرس کے دن خرچ ہو جایا کرتے تھے۔ آپ کی عادت تھی کہ بقچہ کپڑوں کا بغل میں دبائے اور حقہ ہاتھ میں لیے رہا کرتے تھے۔ اور اکثر بزار پاکدامنان اور حضرت میا میر جایا کرتے تھے۔ راجہ دھیان سنگھ۔ مہاراجہ شیر سنگھ و دلیپ سنگھ بھی آپ کے پاس نذریں لیکر گئے تھے مگر آپ نے توجہ نہ کی +
شاہ کنہہ (۲۹)	بیرون دروازہ موچی مقبرہ شاہ ابوالمعالی	وفات ۱۴ ربیع الاول سنہ ۱۱۱۹ ہجری		سنہ ۱۰۴۰ ہجری میں آپ افغانستان سے لاہور آئے۔ آپ بزرگ سید خاندان قادریہ سے ہیں۔ آپ کی قبر گو عرصہ تک ویران رہی مگر جو کوئی بے ادبی کرتا تھا تو اسکو نتیجہ ملجاتا تھا۔ سنہ ۱۲۲۱ ہجری میں الٰہی بخش بالکے نے عمارت بنوائی۔ عرس کے دن مجلس قوالان اور ناچ مجرا ہوتا ہے۔
سید بہاول شاہ گیلانی (۳۰)	غرب رویہ موضع مزنگ	وفات بعہد اکبر بادشاہ	:	آپ کا اصل نام حضرت بہاول شیر المشہور بہاول شاہ گیلانی بن سید اسمٰعیل گیلانی ہے آپکا مزار متصل خانقاہ حضرت بیوی وڈی

نام	مزار کہاں ہے	سن پیدائش یا وفات	تاریخ عرس	کیفیت
				(زوجہ محترمہ حضرت موج دریا بخاری) غرب رویہ مزنگ برلب سڑک فیروز پور واقعہ ہے آپ بڑے اہلِ کمال اور صاحبِ حال وقال اور مست ومجذوب ہو گذرے ہیں۔ آپ کے والد سید محمود کی قبر بدایوں میں واقع ہے۔ آپ کی عمر ۲۵۰ سال کی ہوئی ہے۔ اکثر شیر پر سواری کرتے تھے۔
شاہ مقیم حبو والا (۳۱)	جنوب رویہ تکیہ بہاول شاہ	وفات سنہ ۱۰۵۵ ہجری	" " "	آپ حضرت بہاول شیر کی اولاد سے ہیں۔ آپ کا اصل نام محکم الدین تھا حضرت کے والد حضرت شاہ محمد مقیم حسب الایمائے اپنے جدامجد کے لاہور میں تشریف لائے اور حطۂ میانی میں حضرت حیات المیر سے ملاقات اور بیعت کر کے چلا کاٹا
حضرت حامد قادری (۳۲)	شرق رویہ پرزادہ بدہو	سنہ ۱۰۷۱ ہجری پیدائش وفات ۱۴ر جمادی الثانی سنہ ۱۱۹۶ھ	۱۷ر جمادی الثانی	حضرت حامد قاری قرآن خوانی میں بڑے اُستاد اور اپنے وقت میں یگانہ آفاق تھے۔ آپ فقیر کامل اور شیخ متدین ہو گذرے ہیں۔ آپ ہمیشہ سلسلہ تدریس جاری رکھا کرتے تھے۔
شاہ شمس الدین قادری (۳۳)	بجانب کوٹھی لاٹ صاحب	وفات ۱۱ر رجب چہار شنبہ سنہ ۱۰۲۱ھ	بروز وفات معمولی فاتحہ ہوتی ہے	شاہ جہاں بزمانہ شاہ زادگی آپکا کمال معتقد تھا۔ اُسی نے مقبرہ بھی بنوایا۔ جہانگیر نے اس مقبرہ کے گرد ایک عالیشان باغ تعمیر کرایا جو عہد محمد شاہ تک آباد تھا کہتے ہیں کہ یہاں رات کو شب باشی کیوقت ہیبت آتی ہے۔ آپ حضرت شاہ ابو اسحاق کی خادم اور حضرت شاہ بلاول کے پیر بھائی ہیں۔

نام					کیفیت
حضرت موسیٰ کھوکھر (۳۴)	جنوب رویہ میڈیکل کالج	وفات ۵ محرم سنہ ۱۰۲۵ھ	"	"	آپ حضرت مادھو لال حسین کے زمانے میں صاحب کمال فقیر ہو گذرے ہیں۔ حضرت شاہ محمد مقیم حجرہ والے آپ کے داماد تھے۔
حضرت محترم (۳۵)	غرب رویہ گوشہ شمالی پڑاوہ بدھو	وفات سنہ ۱۰۲۰ ہجری	"		آپ کا روضہ مربع کیصورت میں ہے۔ عمارت اچھی تھی مگر اب بیکسی برس رہی ہے
پیر روڑاں والا (۳۶)	متصل مزار حضرت حامد قاری و شمال رویہ مقبرہ ابو الحسن خاں	وفات ۲۵ محرم سنہ ۱۰۶۶ ہجری	"	"	پیر روڑاں کے لفظ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جب کسی کو بیماری تپ کی ہوئی ہے تو اسکے گلے میں اس مقبرہ کا روڑا تاگے میں باندھکر ڈالدیتے ہیں بعد صحت وہ شخص یہاں حسب مقدور نذر چڑھاتا ہے نام ان کا میر عبداللہ شاہ گیلانی ہے۔ نواب علی مردان خان آپکا دلی عقیدتمند تھا۔ اور اسی نے آپ کا مقبرہ حضرت کی حین حیات ہی میں بنوایا تھا۔
شاہ مسکین امری المشہور پیر غیری (۳۷)	وفات سنہ ۱۰۵۷ھ غربرویہ چھاونی میانمیر۔	-	"	"	آپکا اصل نام میر عنایت اللہ اور وطن لاہور ہے۔ آپ اپنے پیر کے بہت مطبوع طبع تھے۔ آپ کے نام کی وجہ تسمیہ یہ ہے۔ کہ جہاں آپ کا روضہ ہے۔ وہاں کی زمین بارانی اور بنجر تھی۔ حضرت میانمیر نے کہا کہ جس زمین میں تم رہتے ہو وہاں بغیر چاہ کے خدا کے امر سے ہی زراعت ہوا کریگی۔ اس لیے تم امری زمین کے ساکن ہو۔ آپ چونکہ نہایت مسکین مزاج بھی تھے۔ اس لیے آپ کا نام شاہ مسکین امری مشہور ہو گیا۔ آپ کچھ عرصہ مجذوب بھی رہے دارا شکوہ نے آپ کا مزار بنایا تھا۔

نام	مزار کہاں ہے	سن ولادت / وفات / عمر	تاریخ عرس	کیفیت
پیر ٹھکا (۳۸)	متصل گڈھی شاہو و جنوب رویہ سڑک میانمیر	وفات سنہ ۱۱۱۶ ہجری	.. - -	نام آپ کا مولوی نظام الدین چشتی ہے پیر ٹھکا کے نام کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ عموماً جو کوئی ٹھکول (مسا) والا آپ کے پاس آتا تھا آپکی دعا سے شفایاب ہوجاتا تھا کہتے ہیں کہ اب بھی اگر کوئی ٹھکول والا جاروب اور پھولوں کا سہرا آپ کی نذر کرے تو شفا ہوجاتی ہے۔ آپ کے پہلو میں آپ کے دونوں خورد سال صاحبزادے بھی قیامت کی نیند سوئے پڑے ہیں۔
سید عبدالحکیم (۳۹)	جنوب رویہ کوٹھی لاٹ صاحب	وفات سنہ ۱۱۰۸ھ پیدائش سنہ ۱۰۳۱ھ بعہد جہانگیر		آپ کے جد کلاں حضرت سید یعقوب صاحب سنہ ۹۸۵ھ میں ملک ایران سے ہندوستان میں تشریف لائے آپ بڑے صاحب کمال اور بعہد جہانگیر فاضل اہل اللہ تھے۔
شاہ فرید ۴۰	شمال رویہ موضع ڈہولن وال	وفات سنہ ۱۱۰۶ ہجری ۱۷ رجب	- - -	آپ بعہد شاہ ہمایوں بحیثیت ملازم شاہی بارہ ہزاری منصب رکھتے تھے۔ جب حضرت محمد سچیار کے خدام میں داخل ہوکر سلسلہ نوشاہیہ اختیار کیا۔ تو تمام دولت شاہی آپ کی عمر ۱۷۵ سال کی تھی۔
سید کامل شاہ (۴۱)	جنوب رویہ موضع	وفات سنہ ۱۰۰۵ ہجری ہفتم ماہ صفر		آپ بعہد اکبر بادشاہ لاہور تشریف لائے تھے۔ اکبر بادشاہ کا خانساماں عبدالرحیم آپ کا مرید تھا۔ اُس نے روضہ آپکا پختہ بنوانا چاہا۔ مگر اُنہوں نے خواب میں منع کردیا۔ آخر سنہ ۱۲۶۰ ہجری میں کھیوں شاہ سجادہ نشین نے خانقاہ پختہ بنوائی۔
سیلانی شاہ (۴۲)	شرق رویہ موضع باٹو بھا لاہور سے بفاصلہ تین کوس	وفات سنہ ۱۲۶۹ھ ہفتم ربیع الاول		آپکی عمر ۱۶۲ سال کی تھی باوجود اس پیرانہ سالی کے نہایت مضبوط تھے

آپ کا اصل نام احمد شاہ اور وطن دہلی تھا پہلے آپ دینانگر میں رہے جہاں مرزا فیض بخش سے اپنی لڑکی کی شادی کی۔ بعدازاں موراں طوائف محبوبہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دروازہ پر لاہور میں آکر بیٹھ گئے کہ مجھ سے نکاح کرو۔ یا کونجوں کے انڈے منگوا دو۔ آپ بحالت مجذوبیت بدرَوں کا پانی پیتے اور تربوزوں اور خربوزوں کے چھلکے کھایا کرتے تھے۔ غرض آپ نے موراں کو اسقدر تنگ کیا کہ اُس نے لاہور میں منادی کرادی کہ کوئی شخص اُس کو روٹی پانی نہ دے۔ خدا کی قدرت ہے انہیں دنوں میں موراں مہاراجہ رنجیت سنگھ کی مورد عتاب ہو کر قید ہوگئی۔ موراں نے اقرار کیا کہ اگر اب خدا نے مجھے رہائی دیدی تو میں اُس فقیر کا کہنا مان لوں گی۔ جب موراں نے رہائی پائی تو حضرت کے پاس پا برہنہ جاکر التماس کی کہ یا حضرت کونجوں کے انڈے ملنے تو مشکل ہیں کچھ اور فرمائیے۔ حضرت نے فرمایا کہ ایک ہنگوڑا منگواؤ۔ اور اُس میں تم بھی بیٹھو اور اپنی ہمشیرہ ممولاں کو بھی بٹھاؤ میرا مرشد مستان شاہ اور میں بھی اُس میں بیٹھیں۔ جب سات دفعہ اُس ہنگوڑے کو جھولا جائیگا تو ہمارا تمہارا نکاح ہو جائیگا۔ غرض موراں نے اسی طرح کیا۔ اور بعد میں ایک کشتی روپیوں کی ایک ہزار کمبل اور ایک ہزار لنگوٹ فقیروں میں تقسیم کئے۔ آپ کے تین بیٹے تھے جندے شاہ۔ رحمان شاہ۔ ستار شاہ۔ مولوی نور احمد صاحب چشتی مؤلف کتاب تحقیقات چشتی لکھتے ہیں کہ میں نے ان تینوں صاحبوں سے اُس کے حسب نسب کی بابت دریافت کیا تو اُنھوں نے کہا کہ ہمنے بارہا اپنے باپ سیلانی شاہ سے اپنے خاندان اور حسب نسب کی بابت پوچھا تھا وہ صرف اتنا ہی کہتے تھے کہ ہم فقیر ہیں۔ آخر ایک دن ہم تینوں بھائیوں نے نہایت دق ہو کر پوچھا تو اُنھوں نے فرمایا کہ میں محمد شاہ بادشاہ دہلی کا بیٹا ہوں نام میرا احمد شاہ ہے۔ جب نادرشاہ ایران سے دہلی میں آیا۔ اور جنگ کرنال شروع ہوئی تو میں بسرکردگی افواج مرہٹہ اس جنگ میں موجود تھا۔ جب ہماری فوج کو شکست ہوئی تو میں کہیں کا کہیں نکل گیا۔ پھرتا پھراتا اور اپنے آپ کو سیلانی شاہ مشہور کرتا قصور میں پہنچا۔ وہاں سے کوہستان جموں جانکلا۔ جہاں راجہ سنسار چند نے مجھے شاہزادہ خیال کرکے بارہ برس تک مہمان رکھا۔ ایک رات خواب میں مَیں نے ایک فقیر کامل مستان شاہ کی نورانی شکل دیکھی سب مال و اسباب لٹا دیا اور ان کو تلاش کرتا ہوا ملتان پہنچا۔ جہاں اس سے نیاز حاصل ہوئی۔ ملتان سے میں اور میرا مرشد دونوں لاہور آگئے۔

نام	مزار کہاں ہے	سن تولید وفات عمر	تاریخ عرس	کیفیت
سید سر (۴۳)	متصل فرودگاہ ریلوے شمالرویہ روضہ پیر مہکا و مقبرہ حضرت جان محمد حضوری	ـ	ـ	آپ کا اصل نام سید عبدالخالق ہے۔ آپ حضرت جان محمد حضوری کے رشتہ دار تھے۔ سید عبدالخالق صاحب ولی کامل اور عالم متبحر تھے۔ آپ نے جب ایک مدرسہ علم دینی کا مقرر کرکے ایک تالاب خام کھدوایا۔ تو نام اُس کا محلہ کا سید سر مشہور ہوگیا (سر زبان پنجابی تالاب کو کہتے ہیں)
شیخ حسّو تیلی ۴۴	بطرف شمال کلب گھر	وفات ۳ شوال سنہ ۱۰۰۳ ہجری	۳ ماہ شوال	آپ پہلے دوکان قصابی کیا کرتے تھے۔ چنانچہ اب تک اُنکی دوکان شرقرویہ چوک جھنڈا برآستہ حویلی مہاراجہ کھڑک سنگھ موجود ہے۔ مشہور ہے کہ دوکان دار لوگ سودا کم تولا کرتے ہیں۔ اسی طرح آپ بھی کیا کرتے تھے۔ ایک دن آپ نے بخدمت حضرت شاہ جمال حاضر ہوکر عرض کیا کہ مجھکو خدا کا رستہ بتاؤ۔ اُنہوں نے فرمایا کہ برابر تولا کرو۔ آپنے یہ قاعدہ مقرر کردیا کہ جب کوئی گاہک غلہ لینے آتا تو آپ اس کو کہدیتے کہ ترازو اور سنگ ترازو موجود ہے مقررہ نرخ پر اپنے ہاتھ سے تول لو۔ اس صداقت میں یہاں تک برکت ہوئی کہ آپ نے سنگ ترازو طلائی بنواکر حضرت شاہ جمال کی نذر کئے۔ حضرت نے فرمایا کہ نذر تو ہمیں قبول مگر اس (سنگ ترازو) کو دریا میں جاکر پھینک دو۔ شیخ حسّو تیلی نے سنگ ترازو کو دریا میں پھینک دیا۔ کچھ دنوں کے بعد ایک کمہار جب دریا سے گذرتا تھا تو اُس کے پاؤں کو کچھ چوٹ لگی۔ جب دیکھا تو طلائی پتھر یا اینٹ کا شبہ ہوا۔ باہر نکالنے پر سنگ ترازو نظر آیا وہ پہچان کر شیخ حسّو تیلی کے پاس لے آیا۔ آپ پھر اس سنگ ترازو کو لیکر حضرت شاہ جمال کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور تمام واقعہ کہہ سُنایا۔ حضرت نے فرمایا کہ دیکھ حسّو سچ دریا میں پھینکا ہوا بھی ضائع نہیں ہوتا۔ آپ اُسی تاریخ سے خاندان سہروردیہ میں شامل ہوکر حضرت کے مُریدوں میں داخل ہوگئے۔ پھر کچھ عرصہ تک آپ تیل بیچتے رہے آپ کے عرس کے دن تمام تیلی لوگ جمع ہوتے ہیں اور خوب رونق سے عرس و فاتحہ ہوتی ہے۔ آپ کے خادم حضرت سعداللہ برقعہ پوش بھی صاحب کرامت و صاحب کشف تھے

حضرت مادھولال حسین اور حضرت حسو تیلی ایک ہی زمانہ میں گذرے ہیں۔

تکیہ گنج علی شاہ (۵۴)	گنج علی شاہ کا تکیہ متصل مکان تاجے شاہ بیرون موچی دروازہ واقع ہے شاہانِ مغلیہ کے عہد میں یہاں ایک حمام بنام وریام شاہ موجود تھا۔

جس کو سنہ ۱۲۳۱ ہجری میں بحکم مہاراجہ رنجیت سنگھ اس خیال سے گرایا گیا کہ اس عالیشان حمام میں کوئی مخالف آکر پناہ نہ لے۔ گنج علی شاہ ایک فقیر خادم تھا۔ اصل میں یہ جگہ وریام شاہ کی ہے جو بعہد بہادر شاہ خاندان چشتیہ کے ولی کامل ہو گذرے ہیں۔

شہنشاہ اکبر اور اہل باطن

اکبر ہندوستان کا بہترین اور ہر دلعزیز اور نہایت مدبر شہنشاہ گنا جاتا ہے اور ہمارا یقین ہے کہ اگر اسکی اولاد اس کی پالیسی پر چلتی تو حکومت اور خاندان مغلیہ کا وہ دردناک حشر نہ ہوتا جو آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ اسکا عہدِ حکومت مذہب اسلام کیلیے جس میں وہ پیدا ہوا تھا اور جس پر اخیر دم تک قایم رہا۔ کچھ مفید ثابت نہوا۔ بلکہ اکبر نے اسلام کو بہت سا ضعف پہنچایا۔ جس کی صداقت کیلیے تاریخوں کے اوراق کھلے ہوئے ہیں ہمارا روئے سخن اس وقت صرف اہلِ باطن کی طرف ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اکبر فقرا اور صاحب دل بزرگوں کا معتقد تھا۔ اور جب ہم دیکھتے ہیں کہ وہ شیخ سلیم چشتی کے پاس پیدل جاتا اور خواجۂ خواجگان حضرت معین الدین اجمیری کی بارگاہ معلےٰ کیلیے بھی پا پیادہ سفر کرتا ہے تو ماننا پڑتا ہے کہ واقعی وہ فقیر دوست اور اہل اللہ تھا۔ لیکن جب ہم اسکے حالات پر ایک غایر نظر ڈالتے ہیں۔ اور ابوالفضل اور فیضی کے کارناموں کو دیکھتے ہیں۔ تو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ان دونوں بھائیوں کی تعلیم اور صحبت نے اُسکے خیالات بالکل پلٹ دیے تھے چنانچہ تاریخ اس بات کی شہادت دینے سے عاری ہے کہ اکبر نے اپنے بیٹے جہانگیر کی طرح صوفیائے کرام کی خدمات سے ثواب آخرت حاصل کیا ہو۔ اسلیے ہم صرف چند مشہور اہلِ باطن حضرات کی مختصر سے حالات حوالۂ قلم کرتے ہیں۔ جو سنہ ۹۶۳ ہجری سے سنہ ۱۰۱۴ ہجری یعنی اکبر کے زمانہ حکومت تک خلق اللہ کو ظاہری و باطنی فیوض پہنچاتے رہے تھے۔

(محمد الدین فوق)

شیخ نظام ساکنہ رائبٹھ ضلع لکھنؤ سلوک وجذبہ دونوں رکھتے تھے۔ تھوڑے دنوں میں اپنے مرشد سے تکمیل علوم اور رخصت کے بعد اپنے وطن میں گوشہ گزیں ہوگئے۔ بہت کم لوگوں کو مُرید کرتے تھے دنیا داروں سے بہت کم ملتے تھے۔ وہ ہر شخص کو خواہ امیر ہو یا فقیر کچھ نقد یا نمک کھانے کو دیا کرتے تھے ۹۷۶ھ ہجری میں آپ واصل بحق ہوئے

شیخ نظام الدین نارنولی آپ چشتیہ طریق کے پابند تھے ابتدائے جوانی سے آخر عمر تک نارنول (پٹیالہ) سے دہلی میں خواجہ قطب الدین کے عرس مبارک پر جایا کرتے تھے فاسق فاجر نیک بد ہر قسم کے آدمیوں کو مُرید کرتے اور فیضانِ عام کا دروازہ سب کے لیے کھُلا رکھتے تھے ۹۹۷ھ ہجری میں وفات پائی واہ نظام تاریخ وفات ہے۔

شیخ ادھن جودھپوری چشتی نہایت کثیر الاولاد اور بہت بڑی عمر والے تھے۔ ان بیٹے ان کی زندگی ہی میں اسقدر بوڑھے ہوگئے تھے کہ چھوٹے بڑے اور باپ بیٹے کی کوئی تمیز نہ تھی۔ شریعت۔ طریقت اور حقیقت میں ماہر واکمل اور قوت بیانیہ میں اُستاد کامل تھے ۹۷۰ھ ہجری میں جون پور میں انتقال فرمایا۔ شیخ ادھن ہی تاریخ وفات بھی ہے۔

شیخ وجیہہ الدین احمد آبادی علمائے کبار میں تھے تقویٰ ومجاہدہ ان کی رگ رگ سے ٹپکتا تھا۔ علوم عقلی ونقلی میں ید طولےٰ رکھتے تھے کبھی اہل دنیا کے آگے ہاتھ نہیں پھیلایا۔ گھر میں یا مسجد میں قیام رہتا تھا بہت موٹا کپڑا پہنتے تھے۔ بیماروں کو دعا کے ذریعہ آپ اکثر شفا بخشا کرتے تھے ۹۹۸ھ ہجری سال وفات ہے۔

شیخ جلال الدین قنوجی باپ دادا کا وطن ملتان تھا لیکن آپ نے قنوج کی رہائش پسند کی مجذوب سالک تھے۔ کبھی جذبہ غالب ہوتا تو چارپائی کی اُدوائیں گلے میں ڈال کر بازار میں پھرا کرتے اور دردانگیز شور برپا کرتے تھے۔

شیخ اللہ دیا خیرآبادی اپنے وقت کے علمائے متجرین میں سے تھے۔ علوم ظاہری پر عبور تھا۔ جب طریقہ صوفیہ کی طرف رجوع ہوا توکل و

تجرید اور نثار و ایثار کو پہلو میں بٹھایا اور اہلِ دنیا کو ترک کیا سنہ ۹۹۵ھ ہجری میں عالم فانی سے رخصت ہوئے۔

خواجہ عبد الشہید یہ بزرگ صاحب کمال تھے۔ بادشاہ نے ایک پرگنہ وظیفہ میں دے رکھا تھا۔ آپ کے دربار سے دو ہزار فقرا اور مستحقین کی پرورش ہوتی تھی مرنے کے دن قریب آئے تو سمرقند چلے گئے اور وہاں چھٹے دن پہنچنے کے بعد انتقال فرمایا۔

شیخ موسیٰ آہن گر تھے لیکن صاحب کشف و کرامت اکبر کے اوائل سلطنت میں انتقال کیا اور لاہور میں دفن ہوئے۔

شیخ برہان توکل و تقویٰ اور تجرید و استغنا کے پابند تھے دودھ پر بسر اوقات تھی آخر عمر میں پانی بھی ترک کر دیا سو برس کی عمر میں سنہ ۹۶۷ھ ہجری میں انتقال کیا۔

شیخ گیور بابا مجذوب گوالیاری پہلے سپاہیوں میں ملازم تھے جب کچھ معرفت کا علم حاصل ہوا تو نوکری ترک کرائی اور بیوہ عورتوں کے گھروں میں پانی پہنچانا اور خلایق کو بے اجرت پانی پلانا اختیار کیا۔ جب جذبہ زیادہ ہوا تو وہ کام بھی چھوڑ دیا اور واہی تباہی باتیں شروع کر دیں۔ مراقبہ میں اکثر رہتے تھے کسی کے دل کا مطلب فوراً سمجھ لیتے لیکن جواب بطور ہذیان کے دیتے۔ راتوں کو اکثر کھڑے رہتے تھے۔ کبھی روتے اور کبھی ہنستے تھے سنہ ۹۸۲ھ ہجری میں ایک رات کو نعرۂ اللہ لگا کر جان بحق تسلیم ہوئے۔ فیضی نے تاریخ وفات گیور مجذوب سے نکالی ہے۔

شیخ ابواسحاق فرنگ یا مجذوب کالو لاہوری لاہور کے اکثر آدمی ان کے مُرید تھے کالو ان کے باپ کا نام تھا۔ صوفی مشرب تھے علوم ظاہری و باطنی میں کمال تھا۔ اہلِ دنیا سے ہمیشہ دور رہتے تھے۔ بہت کم گو تھے۔ سوائے یاد خدا کے کوئی کام نہ تھا سنہ ۹۹۶ھ ہجری میں سو سال سے زیادہ عمر پا کر وفات پائی۔

شیخ داؤد لاہور کے قریب ایک مقام جنی یا جھٹی ہے وہاں آپ رہتے تھے۔ مولانا اسمعیل سے تکمیل علوم کی کہتے ہیں کہ حضرت غوث الاعظم کی

روح آپ میں حلول تھی شیخ کو جو کچھ کہیں سے ملتا خدا کی راہ پر لٹا دیتے تھے۔ سوائے مٹی کی ہنڈیا اور ایک پرانے بوریے کے ان کی کوئی جائداد نہ تھی۔ باوجود اسکے پیران پیر حضرت دستگیر کا میلا اس شان وشوکت سے کرتے کہ لاکھوں آدمی جمع ہوتے۔ اور سب کو لنگر سے کھانا ملتا صاحب کشف وکرامت تھے۔ ایک دفعہ سلیم شاہ سوری نے بلوایا تو جواب بھیجا کہ دعائے غائبانہ کافی ہے ارباب دنیا کی صحبت پسند نہ تھی۔ ۹۶۲ھ ہجری میں واصل بحق ہوئے۔

شیخ سلیم چشتی

اصل وطن دہلی اور شیخ فریدالدین شکر گنج کی اولاد سے تھے اکبر کو ان سے خاص عقیدت تھی۔ شہزادہ سلیم کی پیدائش کو ان سے خاص تعلق ہے اور آپ ہی کے نام پر شہزادہ کا نام سلیم رکھا گیا تھا۔ روم بغداد۔ شام اور نجف اشرف اور بلاد مغرب کے سیاح تھے۔ بائیس حج کیے مکہ اور مدینہ میں چار سال قیام کیا وہاں شیخ اللہ کے نام سے آپ مشہور ہیں۔ عربی عبارت لکھنے میں بڑی مہارت تھی شیخ ہندی تاریخ وفات اور ۹۷۹ھ ہجری سال وفات ہے۔

شیخ محمدؒ غیاث گوالیار

ان کا نام ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں مشہور ہے ابتدائے حال میں بارہ برس تک درخت چنار کے نیچے ریاضت شاقہ کی۔ غاروں میں مسکن رکھا اور درختوں کے پتوں پر بسر اوقات کی۔ اسی برس کی عمر میں آگرہ میں انتقال کیا اور گوالیار میں سپرد خاک ہوئے مزار مبارک پر بڑی رونق سے سالانہ عرس ہوتا ہے۔ ہمیشہ اپنے آپ کو فقیر کے لفظ سے یاد کرتے تواضع ایسی تھی کہ ہندوؤں کی تعظیم بھی سرو قد کرتے تھے۔ اس سبب سے بعض لوگ ناراض تھے۔ ایک کروڑ ٹنکہ اور بعض صاحب ساتر الامرا نولاکھ روپیہ سالانہ جاگیر مقرر تھی۔ بادشاہ کو آپ سے بیعت تھی مگر یہ بیعت برائے نام تھی۔

شیخ حسین اجمیری

شیخ اللہ خواجہ اجمیری کی اولاد سے تھے۔ لیکن دشمنوں کی کارستانی سے تولیت درگاہ سے محروم رہے۔ چونکہ صاحب مقدور تھے اور زندگی امیرانہ بسر کرتے تھے۔ بادشاہ نے اخراج کا حکم دیکر مکہ معظمہ بھیجدیا وہ حج سے واپس آنے پر پھر بادشاہ کی خدمت میں آئے لیکن شرائط آداب جو ابوالفضل اور فیضی کی اختراع سے تھیں بجا نہ لائے بادشاہ ناراض ہوا اور قید کردیا۔

بادشاہ نے شیخ کے معتمدوں کی سفارش سے رہائی کیلیے اُن کو اپنے روبرو بلوایا۔ چند اور قیدی بھی ہمراہ تھے اُن سب نے بادشاہ کو سجدہ کیا۔ لیکن اس پیر مرد نے کہ عمر ۷۰ سال کی تھی آداب و تسلیم کی نئی رسموں سے انکار کر دیا اور پھر جیلخانہ بھیجے گئے آپ کا ہر لمحہ ریاضت و عبادت میں بسر ہوتا صایم الدہر و قایم الیل تھے۔

مولانا میر کلاں جہانگیر کے سب سے پہلے اُستاد یہی تھے۔ آبا و اجداد کا وطن خراسان تھا۔ ماں کا ادب ہمیشہ ملحوظ رہا۔ بلکہ اسی خیال سے ساری عمر شادی نہ کی کہ شاید بیوی ماں کی اطاعت نہ کرے تجرد کی حالت ہی میں بعمر اسی سال ۹۸۱ھ ہجری میں آگرہ میں انتقال کیا۔

ان کے علاوہ سینکڑوں ہندو مسلمان فقرا صاحب کمال تھے اور بیسیوں ایسے تھے کہ نہ ان کو خود اپنے کمال اور رُتبے سے آگاہی تھی اور نہ خلق اللہ ہی کو اُن کے اعزاز غیبی و روحانی سے واقفیت تھی۔

شہنشاہِ جہانگیر اور صوفیائے کرام

جہانگیر کی ولادت اور کرامت اولیا

تاریخ اس بات کی شہادت دینے سے کبھی انکار نہیں کر سکتی کہ جہانگیر کی ولادت کو کرامتِ اولیا سے تعلق نہ تھا۔ دوسری تواریخیں چھوڑ کر جہانگیر کی اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی تُوزک اس بات کی زبردست شاہد ہے۔ چنانچہ اپنی پیدائش کے حال میں وہ لکھتا ہے "میرے باپ کے ہاں اٹھائیس سال کی عمر تک بیٹا زندہ نہ رہتا تھا۔ آخر میرے باپ نے منت مانی کہ اگر خداوند کریم نے اس مرتبہ بیٹا عنایت کیا۔ اور اُسے زندہ رکھا تو خواجہ معین الدین چشتی کے نورانی روضہ کی درگاہ تک کہ ایک سو چالیس کوس کا فاصلہ ہے آگرہ سے پا پیادہ جاؤں گا۔ میرے والد نے جو درویشوں اور فقیروں کے کمالی معتقد تھے ایک دن شیخ سلیم کی خدمت میں جاکر پوچھا کہ میرے ہاں کتنے بیٹے ہوں گے شیخ نے فرمایا تین۔ جب میری والدہ کے جننے کے دن بہت قریب آگئے تو اُس کو شیخ سلیم کے گھر فتح پور سیکری، بھیجدیا تاکہ میری پیدائش بھی اُسی جگہ ہو جب میں

جب میں پیدا ہوا تو شیخ سلیم نے اپنے مبارک نام کے لحاظ سے میرا نام بھی سلیم رکھا" سلیم کی تعلیم و تربیت اور ولادت میں صوفیائے کرام کے دخل کا اثر یہ ہوا کہ باوجود بہت سی بے اعتدالیوں کے جو جہانگیر کی نسبت عام طور پر بیان کی جاتی ہیں اُس نے فقیروں۔ درویشوں اور صوفیوں کی صحبت ملاقات اور اُن کے احترام سے کبھی گریز نہیں کیا۔ بلکہ اُن کی عزت اور اُن کی خدمت کو ہمیشہ باعث سعادت اور اُن کی محبّت کو ہمیشہ کلید جنّت تصوّر کیا۔ لیکن درویشوں کی اس محبّت کے ساتھ شرعی آداب کا وہ سختی سے پابند تھا۔

علمایانِ اسلام اور جہانگیر

عموماً ہر شب جمعہ کو وہ علماء صلحاء اور درویشوں اور گوشہ نشینوں سے صحبت رکھتا تھا۔ اُس کو حرمت شرع کا اسقدر لحاظ تھا کہ اُس نے میر عدل اور قاضی القضاۃ کو جو اُمور شرعیہ کا مدار ہے سجدۂ زمین بوس اور آداب کورنش سے محض شریعت کے احترام کی خاطر معاف کر دیا تھا۔

زیارت روضہ حضرت محبوب الٰہی رضؓ

جہانگیر کی توزک اور دیگر تواریخوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جبتک اپنے باغی بیٹے خسرو پر اس نے فتح نہیں پائی وہ کسی فقیر کامل اور درویش باصفا سے نہیں ملا۔ یا کسی مقدس بزرگ کے روضہ پر نہیں گیا۔ البتہ وہ باپ کی قبر پر جو سکندرہ میں آگرہ سے چھ سات میل کے فاصلہ پر ہے اکثر جایا کرتا تھا۔ سب سے پہلے وہ اپنے بیٹے کی گستاخیوں اور نا ہنجاریوں کا قلع قمع کر کے ۱۳- ذی الحجہ ۱۰۱۳ھ ہجری کو جمعہ کے دن شہر دہلی میں داخل ہو کر مقبرہ ہمایوں میں گیا۔ وہاں اپنے ہاتھ سے روپیہ تقسیم کیا۔ یہاں سے حضرت شیخ نظام الدین رحؒ اولیاء کے روضۂ انور کی زیارت سے آنکھوں کو طراوت بخشی اور حضرت کی روح پُر فتوح سے استمداد چاہی ہے اور درویشوں اور فقیروں کو بیشمار روپیہ خیرات کیا۔

جوگیوں کی ایک زیارت گاہ کی سیر

جہانگیر ۱۰۱۵ھ ہجری کو کابل کی سیر کو روانہ ہوا۔ اس سیر کا حال بھی اُس نے سفر کشمیر کی طرح تفصیل سے لکھا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ بدھ کا دن باغ سردار خاں میں کہ جوالے پشاور میں ہے منزل ہوئی اس نواح میں جوگیوں کے مشہور معبد گھور کھتری کی سیر اس خیال سے کی کہ شاید جوگیوں کے اس مجمع میں سے کوئی خضر طریقت نظر آئے تاکہ اُس کی صحبت سے فیض یاب ہو جاؤں مگر فقیر کامل اور صوفیٔ باصفا حکم عنقا اور کیمیا کا رکھتا ہے۔ وہ عموماً تنہائی پسند ہوتا ہے۔ اس بھرے مجمع میں اُس کا کیا کام۔ ایک جوگی کو لوگوں نے میرے روبرو پیش کیا مگر سوال جواب سے سوائے تیرگی کے کچھ حاصل نہ ہوا۔ باوجود اسکے دل مکدر ہو گیا۔ کسی کو کچھ نہ کہا۔

شاہی قوالوں کی ایک مجلس

۲۴۔ ذی الحجہ ۱۰۱۸ھ ہجری مطابق ۱۰ مارچ ۱۶۱۰ء کو دہلی کے قوالوں کی ایک جماعت مجلس شاہی میں سرود گاتی تھی۔ امیر خسرو کے اس بیت پر ؂

ہر قوم راست راہی دینی و قبلہ گاہی　　　من قبلہ راست کردم بر سمت کج کلاہی

سیدی خاں (ایک امیر درباری) برسم تقلید سماع کرتا تھا۔ بادشاہ نے ملا علی احمد مہرکن سے پوچھا اس شعر کی اصلیت کیا ہے۔ اُس نے عرض کیا میرے مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء گوشہ سر پر کلاہ کج رکھے ہوئے اور برلب دریا جمنا ایک کوٹھے پر بیٹھے ہوئے ہندوؤں کے طریق عبادت و پرستش کو ملاحظہ فرما رہے تھے حضرت امیر خسرو بھی حاضر تھے شیخ نے یہ مصرع ؏

ہر قوم راست راہے دینی و قبلہ گاہی

پڑھکر فرمایا دیکھتے ہو یہ لوگ کیا کر رہے ہیں۔ امیر خسرو نے بلا تامل عرض کیا ؏

من قبلہ راست کردم بر سمت کج کلاہے

امیر خسرو کی زبان سے یہ مصرع نکلا ہی تھا کہ ملا علی احمدؒ کے بدن میں ایک

رعشہ سا آیا اور وہ سمت کج کلاہ کہتا ہوا واصل بحق ہو گیا۔ بادشاہ کی طبیعت پر اس واقعہ عجیب سے بہت بڑا اثر ہوا۔

ایک سنیاسی سے ملاقات

۱۰۲۷ھ ہجری کے واقعات میں لکھا کہ "تال کاکریہ" کے کنارہ پر ایک سنیاسی ٹوٹے پھوٹے جھونپڑے میں رہتا تھا وہ اہل ہنود میں سے تھا۔ لیکن میری طبیعت چوں کہ درویشوں کی صحبت کی طرف مایل تھی بلا تکلف شاہی خیموں سے اُس کے فقیرانہ مکان کو روانہ ہوا۔ دیر تک اُسکے پاس بیٹھا رہا۔ میں نے تحقیق کیا وہ سنیاسی حقیقت آگاہی اور معقولیت اور خالص درویشی سے خالی نہیں ہے اسرار تصوف اور رموز معرفت سے خوب واقف ہے بظاہر اُس نے اپنا حال اہل فقر و تجرید کے موافق نا رکھا ہے اور باطن میں دنیاوی خواہشات سے کنارہ کشی اختیار کر لی ہے۔ بادشاہ لکھتا ہے کہ اور بھی وہاں بہت فقیر تھے لیکن اس سنیاسی سے بہتر میں نے اس طائفہ میں وہاں کوئی نہ دیکھا۔

ارباب مشائخ کی روزہ افطاری

۲۰ رمضان المبارک ۱۰۲۷ھ ہجری کو جہانگیر کی عمر کا پچاسواں سال شروع ہوا۔ روز جمعہ ۲۲۔ رمضان کو حکم دیا کہ شہر (آگرہ) کے کل مشائخ و ارباب سعادت اور صوفیان باصفا جو شریعت کے پابند ہیں آج شام کو حاضر ہوں اور میرے سامنے روزہ افطار کریں۔ تین راتیں اسی طرح عمل ہوتا رہا۔ بادشاہ لکھتا ہے کہ میں ہر رات کو آخر مجلس تک کھڑا ہو کر زبان حال سے یہ کہتا تھا

خداوندگارا تو نگر توئی ‌‌‌ توانا و درویش پرور توئی
نہ کشور کشایم نہ فرماں دہم ‌‌‌ یکے از گدایان ایں درگہم
تو بر خیر و نیکی وہم دسترس ‌‌‌ دگرنہ چہ خیز آید از من بکس
منم بندگاں را خداوندگار ‌‌‌ خداوندرا بندۂ حق گذار

جو فقیر نہیں آئے تھے اور نذر معاش کے خواستگار تھے میں نے

اُن کے استحقاق کے موافق ہر ایک کو زمین اور خرچ مرحمت کیا۔

اُجین میں گسائیں جدروپ سے ملاقات

سنہ ۱۰۲۶ ہجری یا اسکے بعد جب بادشاہ اُجین گیا تو وہاں کے مشہور جوگی گسائیں جدروپ سے ملاقات کی جس کا حال وہ اپنی توزک میں اس طرح لکھتا ہے۔ گسائیں جدروپ کے نام سے میں کئی سال سے واقف تھا۔ اُس کی شہرت اور مقبولیت بہت تھی وہ آبادی سے دور ایک گوشہ صحرا میں معبود حقیقی کی پرستش میں مشغول رہتا تھا۔ مجھے اُسکے ملنے کا بہت اشتیاق تھا۔ میں کشتی سے اُتر کر اور شاہانہ تجمل کو خیرباد کہکر پون کوس تک پا پیادہ اُس کی ملاقات کو گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ ایک بھٹ (غار) میں رہتا ہے جس کا طول ½ ۵ گرہ اور عرض ½ ۳ گرہ تھا۔ وہ بہت نخیف البدن تھا۔ بھٹ کا طول وعرض اس قدر تھا کہ گسائیں خود ہی اُس میں بمشکل سما سکتا تھا۔ اس غار میں نہ بوریا تھا نہ فرش کاہی تھا۔ گرمی اور سردی میں باوجودیکہ سوائے ایک لنگوٹی باندھنے کے محض برہنہ رہتا تھا نہ کبھی اُس کو آگ جلانے کی ضرورت ہوتی تھی نہ کپڑا اوڑھنے کی جیسا کہ مولانا روم نے فرمایا ہی

پوشش بار وز تاب آفتاب ۔۔۔ شب نہالی ولحاف از ماہتاب

غار کے پاس ہی ایک تالاب تھا جسمیں وہ دن میں دو دفعہ نہایا کرتا تھا شہر (اُجین) میں بھی دن میں ایک مرتبہ جایا کرتا تھا۔ شہر میں وہ عام وخاص کے پاس نہیں جاتا تھا۔ صرف سات برہمنوں کے پاس اُس کی آمد ورفت تھی جو صاحب اولاد تھے اور جن کی درویشی وقناعت کا اُس کو اعتقاد تھا۔ ان میں سے بھی تین سے زیادہ تعلق تھا اور باوجود تعلقات کے اُن کے گھروں میں اس شرط سے جاتا تھا۔ کہ وہاں عورت زچہ نہو۔ زن حائض نہو۔ کھانیکے لئے صرف پانچ لقموں کا وعدہ لیتا تھا اور وہ بھی اس طرح خود بطریق گدائی سائل بن کر کف دست پر لقمہ رکھتا اور پھر نگل جاتا۔ لقمہ کو بالکل نہیں چباتا تھا۔ اس خیال سے کہ اُس کے ذائقہ سے ادراک لذت نہ ہو۔ وہ آدمیوں کی ملاقات اور اپنی شہرت کا مطلق خواہاں نہیں تھا بلکہ لوگ جوق جوق اُسکے درشنوں کو جایا کرتے تھے اور اُس کے دیدار کو نعمت

غیر مترقبہ سمجھا کرتے تھے وہ دانش سے معمور تھا۔ علم بیدانت سے تو جو علم تصوف ہے خوب ماہر تھا۔ میں چھ گھڑی اُس کی صحبت میں رہا خوب باتیں کیں اور دل نہایت خوش ہوا۔

متھرا میں گسائیں جدروپ سے دوسری ملاقات

بادشاہ جب سیر کشمیر کے لیے آگرہ سے روانہ ہوا اور اثنائے راہ میں متھرا پہنچا تو معلوم ہوا کہ گسائیں جدروپ یہاں آیا ہوا ہے وہ بے تکلف اُس کے پاس چلا گیا اور معرفت و تصوف کی خوب خوب باتیں ہوئیں۔ اس ملاقات کا حال بھی بادشاہ کے اپنے ہی الفاظ میں لکھنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے وہ لکھتا ہے۔ حق جل وعلا نے اُس کو عجیب توفیق عنایت کی ہے فہم عالی و فطرت بلند کے ساتھ عقل خداداد فراواں رکھتا ہے۔ دنیاوی تعلقات و آلائش سے آزاد پاک ہے۔ زر و مال اور طمع دنیا سے بے پرواہ ہے۔ اپنے حال میں مستغنی و بے نیاز ہے۔ اسباب دنیا میں سے اُس کے پاس آدھ گز لنگوٹی اور ایک مٹی کے برتن کے سوا جس میں وہ پانی پیتا ہے اور کچھ بھی نہ تھا۔ حکیم سنائی کے یہ شعر اُس کے حسب حال ہیں ؎

دہشت لقماں بلے کرتجے تنگ — چوں گلوگاہ نامے وسینہ چنگ
بوالفضولے سوال کرد از وے — چیست اینجا نشش بدست دو پے
بادم گرم و چشم گریان پیر — گفت ہذا لمن یموت کثیر

جب میں اُس کے پاس سے رخصت ہوا تو فی الحقیقت اس کی جدائی میرے دل کو نہایت ناگوار گذری۔

شیخ عبدالحق دہلوی

دہلی میں شیخ عبدالحق دہلوی نے جو اہل علم و فضل میں کمال رکھتے تھے اپنی ایک کتاب جس میں مشائخ ہند کا احوال درج تھا۔ بادشاہ کو دکھائی۔ شیخ عبدالحق دہلی میں توکل و تجرید کی زندگی بسر کرتے تھے۔ دہلی اور اطراف میں اُن کی نہایت

عزت تھی۔ بادشاہ لکھتا ہے "شیخ کی صحبت بے ذوق نہیں ہے وہ عارف کامل تھا میں نے اُس پر طرح طرح کے الطاف کئے"۔

میاں شیخ محمدؒ میر سے ملاقات

جہانگیر لکھتا ہے میں نے سُنا لاہور میں میاں شیخ محمد میر ایک درویش سندی الاصل ہیں نہایت مبارک نفس و صاحبِ حال فقر سے غنی اور دنیا سے ستغنی میری خاطر حق طلب کو اُن کی ملاقات کے بغیر قرار نہ تھا۔ اور میرا لاہور جانا بھی مشکل تھا میں نے رقعہ اُن کی خدمت میں بھیجا۔ اور اپنا شوق باطنی ظاہر کیا۔ یہ بزرگ باوجود ضعیف العمری اور نقاہت کے میرے پاس تشریف لائے۔ میں نے بہت دیر تک تنہائی میں اُن سے باتیں کیں۔ اُن کی ذات اس عہد میں نہایت غنیمت ہے۔ ان سے بہت سی حقایق و معارف کی باتیں سنیں۔ جو نذر دیتا تھا نہیں لیتے تھے۔ آخر ایک پوست آہو نذر میں پیش کیا جو قبول فرمایا۔

حضرت مجددؒ الف ثانی شیخ احمدؒ سرہندی

جہانگیر پر الزام لگایا جاتا ہے کہ اُس نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کے ساتھ وہ سلوک کیا جس سے اُس کی فقیر پرستی اور عقیدت اولیائے اللہ پر پانی پھیر دیا۔ یہ مضمون دراصل ایک الگ بحث کا محتاج ہے۔ لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ جہانگیر اپنی غلطی پر نادم ہوا اور دوبارہ وہ سلوک کیا جو بادشاہوں کے لایق تھا پیشتر ازیں لکھا جا چکا ہے کہ وہ شریعت کا سختی سے پابند تھا۔ وہ شریعت کی ہجر متی کسی طرح بھی گوارا نہیں کر سکتا تھا۔ جب اُس کو معلوم ہوا کہ حضرت شیخ احمد سرہندی نے ایک کتاب بنام مکتوبات لکھی ہے اور اُس میں یہ بھی لکھا ہے کہ اثنائے سلوک میں مقام ذی النورین پر میرا گذر ہوا۔ وہاں سے گذر کر میں مقام فاروق میں آیا۔ پھر صدیق میں داخل ہوا۔ علیٰ ہذالقیاس مقام محبوبیت سے واصل ہوا۔ وہاں انواع اقسام کے ایسے انوار مجھ پر منکشف ہوئے کہ میں مقام خلفا سے گذر کر عالی مرتبت پر پہنچا۔ یہ حالات معلوم کر کے بادشاہ نے اُن کی طلبی کا حکم صادر

فرمایا۔ بادشاہ لکھتا ہے کہ میرے سوالوں کا وہ معقول جواب نہ دیسکے میں نے اس خیال سے کہ خلقت خدا کی گمراہ اور شریعت پامال ہو رہی ہے اور عام مسلمانوں میں ایک شورش عظیم کا اندیشہ ہے اُن کو قلعہ گوالیار میں قید کر دیا پھر بادشاہ لکھتا ہے کہ ایک سال کے بعد میں نے خود ہی اُن کو قلعہ سے رہائی دی اور ایک بیش قیمت خلعت اور ہزار روپیہ زاد راہ کیلیے، نقد دیا +

حضرت میاں میر لاہوری اور جہانگیر

ایک دفعہ جہانگیر نے آگرہ سے ایک شاہی قاصد بھیجکر حضرت کو طلب کیا اور حضرت جب وہاں پہنچے تو کمال تعظیم و تکریم سے پیش آیا۔ حضرت بہت سی نصائح دلپذیر فرماتے رہے۔ جہانگیر نے کہا ملک و دولت چھوڑ کر فقیر ہو جانے کو جی چاہتا ہے۔ آپ مجھے اپنا خادم کریں اور خدا کی راہ بتائیں۔ آپ نے فرمایا تم خلق اللہ کی حفاظت کیلیے پیدا کیے گئے ہو۔ اوّل اپنی طرح کوئی اور شخص خیر خواہ خلق اللہ اور عادل و حلیم اور کریم النفس پیدا کرکے بادشاہ بناؤ پھر ہمکو اپنا چیلہ بنالیں گے بادشاہ اس تقریر سے متاثر اور مسرور ہوا۔ اور کہا کہ آپ کچھ طلب فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں مجھے رخصت دو اور پھر کبھی حاضر باشی کی تکلیف نہ دو۔ اس کے بعد حضرت لاہور تشریف لے آئے۔ جہانگیر نے ایک دو عریضے آپکی خدمت میں تحریر کیے ایک عریضہ جو دارا شکوہ نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

بعد از عرض و نیاز مخلص حقیقی بتمام اخلاص بموقف عرض میرساند ؎

خلق را وہم کہ جاں در قالب است ۔۔۔ قالبم اینجا و جاں در کوئے دوست

خدا آں روز آرد کہ دولت قدمبوس حاصل کنم۔ فقط +

حضرت ایشاں اور جہانگیر

جب جہانگیر نے سُنا کہ حضرت ایشاں کی موجودگی سے کشمیر میں شیعہ اور سنیوں کا فساد روز بروز بڑھ رہا ہے تو اُن کو اکبر آباد میں طلب کر لیا اور

اُنکی نہایت تعظیم وتکریم کی اور معقول روزینہ مقرر کردیا۔ جہانگیر حضرت ایشاں کی ہمراہی کو ہمیشہ باعث فخر سمجھتا رہا ہے۔ ایک مرتبہ بادشاہ کشمیر کی سیر کو تشریف لیگئے۔ حضرت بھی ہمراہ تھے۔ راجوری کے متصل بادشاہی لشکر کو پانی کی کمیابی سے سخت دقت محسوس ہوئی۔ حضرت سے التجا کی پیاس کے مارے لشکر کا بُرا حال ہے۔ بدرگاہ قاضی الحاجات دعائے باران رحمت کیجئے آپ نے دونوں ہاتھ اُٹھا کر دعا کی۔ ہنوز خاتمہ دعا کی نوبت نہیں پہنچی تھی کہ شمال کی جانب سے ایک ابر سیاہ نمودار ہوکر آن کی آن میں تمام آسمان پر پھیل گیا اور بارش شروع ہوگئی۔

آوان ہیئرآئل

یعنی بالوں کے لگانیکا خوشبودار تیل

ہندوستان میں جسقدر خوشبودار تیل مروج ہیں وہ علی العموم سفید تلوں سے مختلف ذرائع سے خوشبودار بنائے جاتے ہیں جاہل تیل ساز عموماً ترکیب کیمیائی خواص الادویہ سے چونکہ لاعلم ہوتے ہیں انکو بالونکی ساخت دماغ کی تشریح دواؤں کے افعال و خواص معلوم نہیں ہوتے جس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ سُنے سُنائے لکیر کے فقیر ہوتے ہیں ان کا دارومدار خوشبودار تیل میں لب کر تیل کو فروخت کرنا ہی اور بس اگر وہ جانتے کہ تل کا تیل دماغ کو خشک اور جلد و عصاب کو خراب کرتا ہے تو آج یہ اندھیر نہ ہوتا کہ جس کو دیکھو بیوقت بال سفید ڈاڑہی مونچھ بے معنی اور ادنیٰ ادنیٰ باتوں سے نزلہ و زکام میں مبتلا دانت خراب چہرہ پژمردہ اور اس پر چھائیاں وغیرہ موجود ہیں بے طبی اُصول کے مطابق بالوں کی اصلیت و روئیدگی و طریقِ پرورش و بالوں کے قیام وغیرہ تمامی حالات پر غور کرکے اور مندرجہ بالا قباحتوں اور موجودہ تیلوں کے اجزا مروجہ کے تمام نقصانات کو مدنظر رکھکر ایک خوشبودار تیل بتیس برس سے ایجاد کیا ہوا ہے جو سر پر لگانے سے بالوں کو طاقت دیتا ہے اور عصاب و عروق کو مضبوط کرتا ہے۔ درد سر دورانِ سر۔ سر کا چکرانا۔ یبوست دور ہونے سے بالوں کا گرنا اور بدخوابی دور ہوجاتی ہے بالوں کی جڑیں تر رہتی ہیں اور بال لمبے و نرم رہتے ہیں سر کی گرمی بند رہنے سے آنکھیں ٹھنڈی ٹھنڈی تیز اور دماغ کو طاقت رہتی ہے مسامات میں اسکے اثر سے وہ رطوبت جلد تبدیل نہیں ہوتی جس کی تبدیلی سے بال سفید ہوجایا کرتے ہیں۔

قیمت فی شیشی (عہ) علاوہ محصول ڈاک ؛

المشتہر

پروفیسر محمد الدین آوان ایڈیٹر صوفی۔ پنڈی بہاؤالدین ضلع گجرات۔

اکسیر عنبری

میں خدا کے فضل کرم سے وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جنکے حاصل کرنیکے واسطے اہل ملک نے لاکھوں روپیہ پورپ اور نیز جھوٹے اشتہاروں کی نظر کیے ہیں خداوند کریم کی عنایت سے اب چونکہ ہندوستان کے ہر حصہ میں اکسیر عنبری کا تجربہ وسیع پیمانے پر ہو چکا ہے اس لیے مجھے اسکی تعریف میں صفحے سیاہ کرتے آپ کی سمع خراشی منظور نہیں اور نہ اس کے پورے صفات بیان کرنیکی اس اشتہار میں گنجائش ہے یہ جوانی کی روح اور بڑھاپے کی جان ہے یہ مقوی ممسک مفرح اور مبہی ہے۔ ویریہ کے تمام امراض مثل کثرت احتلام جریان۔ سرعت وغیرہ کو نافع ہے۔ جوانی کی غلط کاریوں اور بچپن کی شادی سے جب آدمی زندہ درگور ہو جاتے ہیں اکسیر عنبری نئی زندگی بخشتا ہے اسکی پہلی خوراک منہ میں ڈالتے ہی دل ودماغ میں ایک سریع التاثیر تحریک و سرور پیدا ہو کر حواس خمسہ ظاہری و باطنی تیز و روشن ہو جاتے ہیں خیالات اعلیٰ و مفید سوجھنے لگتے ہیں دل کو تقویت اور تفریح پہنچی ہو کہ گویا خدائے خالق نے ایک نئی زندگی عطا کی ہے۔ ضعف دل بے چینی۔ دل کا دھڑکنا۔ دل کا ڈوبتے جانا۔ پراگندہ خیالی۔ سانس کا پھولنا وغیرہ امراض کیواسطے ایک سچا تریاق ہے اسکے استعمال سے ویرج کے تمام امراض کو ایک خاص فائدہ پہنچتا ہے۔ جو اور ادویات کی طرح عارضی نہیں ہوتا جب اعصاب میں بہ سبب کوتہ اندیشی غلط کاری۔ عیاشی کثرت محنت دماغی رنج و فکر وغیرہ ضعف آجائے اور جسم میں کمی واقع ہو تو اکسیر عنبری ایسی حالت میں اکسیر ثابت ہوگا۔ ایسلیے امیروں۔ ججوں۔ وکیلوں منصفوں تحصیلداروں۔ رئیسوں۔ جاگیرداروں مجسٹریٹوں فوج اور پولیس کے عہدہ داروں وغیرہ کو یہ مونس و رفیق ہر دم اپنی جیب و جان کے ساتھ رکھنا چاہیے جہاں طبیعت گھبرائی جھٹ ایک خوراک منہ میں ڈالی اور تر و تازہ ہو گئے۔ قیمت فی شیشی ۲ دللعہ) تین شیشی کی خریداری پر خرچ ڈاک معاف۔

قانونی اور اخلاقی وعدہ۔ میں نیچے اپنے قلم سے دستخط کر کے قانوناً اور اخلاقاً ومہ دار ہوں کہ اکسیر عنبری مطابق تعریف اشتہار کے نہ نکلے تو اُسکی قیمت بذریعہ منی آرڈر واپس کردونگا محمد الدین بقلم خود۔ اکسیر عنبری کے سرٹیفکٹ درج کرنے خلاف تہذیب ہیں اس لیے درج نہیں کیئے گئے۔

المشتہر

پروفیسر محمد الدین آوان ایڈیٹر صوفی۔ پنڈی بہاؤالدین ضلع گجرات پنجاب

اصلی ممیرے کا سُرمہ

ممیرے کا سرمہ کوئی عام چیز نہیں ہے جو ہر ایک آدمی کو میسر ہو سکے اور ہر ایک شخص اسکی شناخت کر سکے یہ وہ اکسیر بوٹی ہے جسکی تعریف میں اطبائے قدیم محقق البیان اور مفسران یونان اسکی توصیف میں ہمہ زبان ہیں ہمنے ٹرکی سے ایک کتاب منگوائی ہے جسمیں مصنف کتاب نے پانچسو امراض چشم کیواسطے ممیرے کا مفید ہونا ثابت کیا ہے ہم بڑے دعوے سے پبلک کو یقین دلاتے ہیں کہ ہمنے شاہ سلیمان صاحب بغدادی کی معرفت چین کے گوچی پہاڑ سے ممیرا اور مصر سے سرمہ مصری جو اعلیٰ قسم کا ہوتا ہے منگواکر اور اسمیں نہایت قیمتی مفید مقوی بصر اجزا مروارید ناسفتہ ملاکر یہ سرمہ تیار کیا ہے اور سالہا سال سے لاکھوں بیماروں کو مفت تقسیم کرکے تجربہ سے اسکا مفید سریع التاثیر فوائد میں بے نظیر ثابت ہونا ثابت ہوا ہے اسکے موجد وہ ڈاکٹر اور حکیم ہیں جو چالیس سال سے پیشہ طبابت کر رہے اور ہفت پشت سے ان کے خاندان میں امراض چشم کا علاج موروثی چلا آتا ہے اور یونانی و ڈاکٹری باقاعدہ تعلیم حاصل کرکے سرکار انگریزی سے اعلیٰ درجہ کی سند حاصل کر چکے ہیں۔ اور آنکھوں کی تشریح و علاج امراض سے بخوبی واقف ہیں۔ افسوس ہے کہ آجکل کے کوتاہ اندیش لوگ آنکھوں جیسی نعمت کی قدر نہیں کرتے اور ایسے لوگوں کی دوائیاں استعمال کرتے ہیں جو بالکل ڈاکٹری و یونانی علم سے بے بہرہ ہیں۔ بھلا جو شخص آنکھوں کی تشریح۔ بیماریوں کے اسباب پیدائش و نام وغیرہ سے ناواقف ہو تو ایسے شخص کے ہاتھ آنکھوں جیسے نازک عضو کو سپرد کر دینا سخت نادانی نہیں تو اور کیا ہے۔

فوائد

اصلی ممیرے کا سرمہ ضعف بصارت۔ تاریکی چشم۔ دھند جالا۔ پڑوال غبار۔ پھولا۔ سرخی۔ پانی بہنا۔ خارش چشم وغیرہ کیواسطے بفضل خدا شرطیہ و حکمیہ مفید ہے۔ سٹوڈنٹوں اور قانون پیشہ اصحاب کے لیے یہ سرمہ ایک عجیب تحفہ ہے جو صاحب اسکو اپنا معمول بناوینگے انشاء اللہ عمر بھر کبھی انکی آنکھیں خراب نہ ہونگی جوانی کی عمر میں جو لوگ اس کا استعمال کرتے رہیں گے وہ بوقت پیری اپنی آنکھوں کو جوانی سے بہتر پائیں گے۔

المشتہر پروفیسر محمد الدین آوان۔ پنڈی بہاؤالدین ضلع گجرات پنجاب